ولقد یسّرنا القرآن للذکر

آسان درسِ قرآن

سورۂ فاتحہ

از

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ

بمقام: مسجد انوار، نشاط سوسائٹی، اڈاجن پاٹیا، سورت۔

ناشر

دار الحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ

سوداگرواڑہ، سورت، گجرات۔ (الھند)

ولقد یسّرنا القرآن للذکر

آسان درسِ قرآن

(سورۂ فاتحہ)

(جزءِ اول)

از

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ

بمقام: مسجد انوار، نشاط سوسائٹی، اڈاجن پاٹیا، سورت۔

ناشر

دارالحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ

سوداگرواڑہ، سورت، گجرات۔ (الھند)

تفصیلات

کتاب کا نام:..........................آسان درس قرآن

افادات:............حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

تخریج:..............................عبدالاحد فلاحی

پہلا ایڈیشن:..............رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق اپریل ۲۰۱۸ء

دوسرا ایڈیشن:(تصحیح شدہ)..........محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۸ء

PUBLISHERS:

DARUL HAMD RESEARCH INSTITUTE

SODAGARWADA, SURAT

+91 9173103824

darulhamd2017@gmail.com

ملنے کا پتہ

دارالحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگرواڑہ، سورت۔

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

حضرت الاستاذ مرشدی ومحسنی مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دام ظلھم کی ہفتہ واری مجلس سورت کی عمر الحمدللہ ۲۲/سال ہوگئی۔ اس وقفہ میں فضل وتوفیقِ الٰہی سے ریاض الصالحین، الادب المفرد، شمائل ترمذی اور صحیح بخاری کی کتاب الرقاق کے دروس حضرت اقدس زید فضلھم نے دیے۔ کتاب الرقاق کے اختتام کے بعد کیا شروع کیا جائے؟ یہ مسئلہ محترم ومکرم جناب الحاج بلال منیار صاحب نے بعنایت ایزدی حل فرمادیا کہ استاذ مکرم وشیخ محترم کو درس قرآن کے لیے آمادہ فرماہی لیا، آں محترم ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

فجزاکم اللہ۔

چناں چہ گزشتہ تین ماہ سے درسِ قرآن ہورہا ہے۔ پہلی مجلس میں حضرت دام مجدھم نے ایک پُرمغز وجامع مقدمہ بیان فرمایا۔ اس کے بعد والی مجلس میں سورۂ فاتحہ کا درس شروع ہوا۔

اللہ کی توفیق سے ہر ہفتہ کا درس نیا درس ہونے سے قبل لکھوا لینے کا التزام پہلے ہی دن سے رکھا اور اسے لفظ بلفظ بلکہ حرف بحرف حضرت بھی ملاحظہ فرماتے رہے، تصحیحات کرتے رہے۔ سورۂ فاتحہ مکمل ہوئی تو وہ کتابی شکل میں بھی تیار تھی، حضرت نے اشاعت کی اجازت بھی مرحمت فرمادی، تو تخریج کا کام شروع کروایا گیا۔ جس کو مولانا عبدالاحد راندیری فلاحی سلمہٗ نے بخوبی انجام دیا۔ اب الحمدللہ پریس میں جانے کو ہے۔

مولانا انور پارکھیتی سلمہٗ ہر ہفتے ریکارڈنگ کو عرض سے جوہر کی شکل دے دیتے ہیں، مولانا داود میمن اسے مزید نکھار کر نظر ثانی کے لیے مجھے دیتے ہیں، یہاں سے صاف

ستھری ہوکر تحریر حضرت کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، تب یہ مجموعہ حرفِ آخر ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ان سب ہی احباب و بزرگوں کو دارین میں اپنے شایانِ شان اجر عظیم سے مالا مال فرمادے۔ ان کی نسلوں کو دینی علمی و ملی کاموں کے لیے قبول فرمائے۔

''دارالحمد'' اس سعادت کے حصول پر سربسجود ہے اور حمد و شکر کے جذبات سے لبریز ہے۔

ربّنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. و تب علینا انک انت التواب الرحیم.

طاہر سورتی

شب یکم شعبان ۱۴۳۹ھ

۱۷/اپریل ۲۰۱۸ء

پسِ منظر

(یہ کلمات حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے کتاب الرقاق کے اختتام پر درسِ قرآن شروع کرنے کے پسِ منظر کے طور پر ارشاد فرمائے تھے)

الحمد للہ! کتاب الرقاق پوری ہوئی۔ میرا جب بھی حرم جانا ہوتا ہے تو میرے ایک کرم فرما ہیں: حاجی بلال منیار صاحب، جو مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، تو جب بھی میرا جانا ہوتا ہے تو مجھ سے پوچھتے ہیں: آج کل کون سی کتاب کا درس چل رہا ہے؟ وہ کب ختم ہونے والی ہے؟ اس سے قبل بھی جب اسباق جاری تھے تو کہتے تھے: اب آپ قرآن کی تفسیر شروع کر دیجیے، اور میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ مدرسہ میں نصاب میں بھی کبھی ترجمہ یا جلالین پڑھانے کی نوبت نہیں آئی۔ مجھے قرآن کے متعلق بڑا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی بات ادھر ادھر نہ ہو جائے، ہمیشہ سہم رہتا ہے، لیکن ان کا بڑا اصرار رہتا ہے۔

اب کی مرتبہ بھی جب محرم میں جانا ہوا تھا تو پھر یہی پوچھا تھا، اور ان کا اصرار تھا۔ تو اب توکلاً علی اللہ! میں نے یہ نیت کی ہے کہ -ان شاء اللہ- اب درسِ قرآن شروع کریں گے اور ایک ترتیب سے نہیں؛ بلکہ مختلف جگہوں سے کریں گے۔

آپ حضرات دعا کیجیے! اللہ تعالیٰ اس کو آسان فرماوے، اور اس کی برکتوں سے مجھے اور آپ سب کو اللہ تعالیٰ نوازے، اور صحیح نیت کے ساتھ اس کو پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن پاک کے درس کی برکات اللہ تعالیٰ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ کو بھی۔ اور اس سلسلہ میں کوئی ایسی بات جو اللہ کے کلام کی شان سے ہٹ کر ہو، اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آپ سب دعاؤں کا اہتمام کریں۔

مقدمہ

مورخہ: ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰/ جنوری ۲۰۱۸ء شبِ یکشنبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّأٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ أَرْسَلَہٗ إِلیٰ کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا إِلیٰ اللّٰہِ بِإِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلیٰ نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ ۝ (النساء) وَقَالَ تَعَالیٰ: شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدیٰ وَالْفُرْقَانِ ۝ وَقَالَ تَعَالیٰ: اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ۝ (القدر/۱) وَعن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قال النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَامِنَ الْأَنْبِیَاء نَبِیٌّ إِلَّا أُعْطِیَ مَا مِثْلُہٗ اٰمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرُ وَ إِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ أُوتِیْتُ وَحْیًا أَوْحَاہُ اللّٰہُ إِلَیَّ فَأَرْجُوْ أَنْ أَکُوْنَ أَکْثَرَھُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. (أخرجہ البخاری برقم: ۴۹۹۶ ومسلم برقم/۱۵۲)

مقصدِ تخلیق:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کے لیے پیدا فرمایا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (میں نے جنوں اور

انسانوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کے لیے پیدا کیا)

عبادت کے معنیٰ:

عبادت کس کو کہتے ہیں؟ الطاعة مع الخضوع (فروتنی یعنی اپنے آپ کو جھکاتے ہوئے)[۱] کسی کی فرماں برداری کرنا اسی کو طاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا طاعت کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتلایا، اُسی کی طرف سے عبادت اور طاعت کا مطالبہ ہے، اگر ہم کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں، جو اللہ کو ناپسند ہو پھر وہ طاعت کیا ہوئی؟ اس لیے کہ جس کی طرف سے مطالبہ ہے اس کو تو یہ ناپسند ہے، تو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیں اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کرنی ہے۔

نبیوں کا سلسلہ:

اب یہ کیسے معلوم ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو فلاں چیز پسند ہے اور فلاں چیز ناپسند ہے؟ ہم اپنے جیسے انسانوں کی پسند اور ناپسند کو اپنی عقل کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے، حالاں کہ وہ ہم جیسے انسان ہیں، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کو کیا چیز پسند ہے اور کیا چیز ناپسند ہے وہ عقل کے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہی نہ بتلائیں، اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات تو بڑی بزرگی والی، بڑی عالی مقام ہے، ہر کس و ناکس اللہ تبارک وتعالیٰ سے خطاب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور نہ ہی اس کے اندر اس کی اہلیت

---

(۱) معانی القرآن و إعرابه للزجاج ۱/ ۴۸ (ط: عالم الکتب بیروت)، والوسیط للواحدی ۱/ ۶۸ (ط: دار الکتب العلمیة بیروت) تفسیر البغوی ۱/ ۷۵ (ط: دار إحیاء التراث العربی بیروت)

ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے محض اپنے فضل وکرم سے انسانوں میں بعض حضرات کو چنا، اور اپنے احکام بذریعۂ وحی ان پر نازل فرمائے، اور ان کو اس بات کا مکلف بنایا کہ ان احکامات کو اللہ کے بندوں تک پہنچائیں، اسے سمجھائیں، چناں چہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خدمت کے لیے چنے گئے ان کو حضرات انبیاء اور حضرات رُسُل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب سے انسان کا وجود ہوا ہے، تب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے، سب سے پہلے نبی، سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا، مختلف زمانوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف انسانوں کو اپنا نبی اور رسول بنایا، ان پر کتب و صحائف بھی نازل فرمائے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اب آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، نبوت کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل ہو چکا۔

وحی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتاب بذریعہ وحی قرآن پاک کی شکل میں نازل کی گئی وہ آخری کتاب ہے، اب دوسری کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے، اس کتاب نے اگلی تمام کتابوں کے احکام کو منسوخ کیا ہے۔ یہ قرآن پاک اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ وحی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعہ یا دوسرے طریقوں سے اپنے منتخب اور چنیدہ بندوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوتے ہیں، اور یہ وہ باتیں ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، وہی چیزیں حضرات انبیاء انسانوں تک پہنچاتے ہیں اور ان کو اس کا مکلف کیا جاتا ہے۔

نزولِ کتاب کیسے ہوا......؟؟؟

اب آخری کتاب (قرآن کریم) کب نازل ہوئی؟ بخاری شریف میں روایت ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں کے ذریعہ ہوئی، چھ مہینے ایسے گزرے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے روزانہ رات میں آپ کو ایسے خواب دکھلائے جاتے تھے جو دن میں ہو بہو، صاف صاف وجود میں آجاتے تھے، اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں تھی، کھلم کھلے ہوتے تھے، کفلق الصبح صبح کی روشنی کی طرح، جیسے وہ واضح اور صاف ہوتی ہے اسی طرح وہ خواب بھی بالکل واضح حقائق کی شکل میں آپ کے سامنے آجاتے تھے، چھ مہینے یہ سلسلہ رہا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ پر خلوت پسندیدگی ڈال دی گئی۔ [1] یعنی آپ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تقاضہ اور داعیہ پیدا فرمایا کہ آپ تنہائی میں، خلوت میں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں، چناں چہ اس خلوت گزینی کے لیے نبیٔ کریم ﷺ نے غارِ حرا کا انتخاب فرمایا، شراحِ حدیث نے لکھا ہے کہ اسی غار میں آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب بھی خلوت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، کعبۃ اللہ سے تین میل کی دوری پر، منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر جبلِ نور کے نام سے ایک پہاڑ واقع ہے، اس کے اوپر یہ غار ہے، یوں سمجھیے! ایک بنا بنایا کمرہ ہے جس میں آسانی سے ایک آدمی کھڑا رہ سکتا ہے، اور اللہ کی عبادت کرسکتا ہے، اس میں ایک سوراخ بھی ہے، جس سے سیدھا کعبۃ اللہ نظر آتا تھا- اب تو عمارتوں کی وجہ سے وہ بات نہیں رہی- نبیٔ کریم ﷺ اسی غار میں اللہ کی عبادت کے لیے تنہائی میں قیام کرتے تھے اور اللہ کی

---

(۱) أخرجه البخاري في بدء الوحي برقم: ۳.

عبادت میں خلوت گزینی کے طور پر مشغول ہوتے تھے، چند دنوں کا توشہ اپنے ساتھ لے جاتے تھے، پھر چند دنوں کے بعد جب گھر والوں سے ملاقات کا تقاضہ پیدا ہوتا، تو آپ گھر واپس آتے، اور چند دنوں کا توشہ لے کر دوبارہ جاتے، اس طرح یہ سلسلہ جاری تھا۔

اسی دوران ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ اسی غار میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، اور کہا: اقرأ، آپ پڑھیے! تو حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا: ما أنا بقارئ، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو حضرت جبریلؑ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے سینے سے چمٹا کر کے بھینچا، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: ایسا بھینچا کہ میری طاقت جواب دے گئی، پھر چھوڑ دیا اور فرمایا: اقرأ، پڑھیے! حضور ﷺ نے وہی جواب دیا، انھوں نے دوبارہ اپنے سینے سے لگا کر چمٹایا اور بھینچا، اور اب کی مرتبہ بھی اسی طرح طاقت انتہا کو پہنچ گئی، جواب دے گئی، اور پھر چھوڑا اور فرمایا: اقرأ، تو آپ نے فرمایا: ما أنا بقارئ۔ تیسری مرتبہ اسی طرح ہوا، اور چوتھی مرتبہ سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ (١) یہ پہلی وحی تھی، جو غار حرا کے اندر آپ پر نازل ہوئی، یہ پہلا موقع تھا جس میں آپ کو فرشتے سے واسطہ پڑا، اور وہ بھی غار کی تنہائیوں میں، اور اچانک یہ واقعہ پیش آیا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ پر ایک خوف اور گھبراہٹ سی طاری ہوگئی، اور آپ ﷺ کا قلب مبارک کانپنے لگا، اسی حالت میں آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے۔ (٢)

یہ واقعہ کب پیش آیا؟

یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس سلسلہ میں اہل سیر کے دو قول ہیں: (٣) علامہ ابن عبدالبر

(١، ٢) أخرجه البخاری فی بدء الوحي برقم: ٣.

مالکیؒ- صاحب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب-فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۸ / ربیع الاول کو پیر کے دن پیش آیا، اس اعتبار سے نبیٔ کریم ﷺ کی عمر شریف پورے ۴۰ سال اور ایک دن ہے۔[۱]

(۲) دوسرا قول محمد بن اسحاقؒ- جو امام المغازی کہے جاتے ہیں- کا ہے کہ پیر کا دن تھا اور رمضان کی ۱۷ / تاریخ تھی۔[۲] حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[۳] گویا قرآن پاک کا نزول جو آپ پر شروع ہوا اس کی ابتداء بھی رمضان ہی میں ہوئی، اسی مناسبت سے انہوں نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اس پر دونوں متفق ہیں کہ دن پیر کا تھا۔

قرآن کے دو نزول ہیں:

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کو لوح محفوظ میں محفوظ رکھا اور وہاں سے آسمان دنیا میں بیت العزت پر پورا قرآن رمضان کے مہینے میں اور شب قدر میں نازل ہوا اس پر سب کا اتفاق ہے۔

(۲) اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کے قلب مبارک پر حضرت جبریلؑ کے ذریعہ سے ۲۳ رسالہ دور نبوت میں نازل ہوتا رہا۔[۴]

---

(۱) ذکرہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب ۱ / ۳۱، نقلاً عن الخوارزمی وفیہ: فکان من مولدہ ﷺ إلی أن بعثه الله تعالیٰ أربعون سنةً ویوم. انتهی. (ط: دار الجیل بیروت)

(۲) سیرة ابن اسحاق ۱ / ۱۲۱ و ۱ / ۱۳۱-۱۳۰ (ط: دار الفکر بیروت)

(۳) فتح الباری ۱۲ / ۳۵۷-۳۵۶ (ط: دار المعرفة بیروت)

(۴) هذا قول الأکثر أخرجه النسائی فی الکبریٰ برقم: ۱۱۶۲۵ (ط: مؤسسة الرسالة بیروت)، والحاکم فی المستدرک ۲ / ۲۴۲، (ط: دار الکتب العلمیة بیروت)

زمّلونی زمّلونی:

جب یہ پہلی وحی نازل ہوئی، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارکہ کے اوپر ایک گھبراہٹ اور خوف کی سی کیفیت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کانپ رہا تھا، اور اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لے گئے، گھر پہنچتے ہی کہا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے چادر اوڑھاؤ! مجھے چادر اوڑھاؤ! تو آپ کو چادر اوڑھائی گئی، تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کی طبیعت میں اطمینان پیدا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا واقعہ حضرت خدیجہؓ کے سامنے بیان فرمایا اور کہا: لقد خشیت علی نفسی.[1] مجھے اپنے متعلق خطرہ ہے۔ خطرہ کس چیز کا؟ اس کی تشریح اور تعیین کے سلسلہ میں بھی شراحِ حدیث کی بہت ساری باتیں ہیں، لیکن حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: یہاں دراصل حضور کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایک بہت بڑی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے، میں اس ذمہ داری کو کماحقہٗ ادا کر پاؤں گا یا نہیں؟ آپ پر یہ خوف طاری تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی مجھ سے نہ ہو پائے اور میرے لیے یہ رسوائی کا سبب بن جائے۔[2] کوئی بڑی ذمہ داری کسی کو سونپی جاتی ہے، تو اس میں جہاں اس کے لیے ایک بڑا اونچا مقام ہے وہیں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ ذمہ داری پوری نہ ہو پائی، تو لوگوں کے درمیان رسوائی ہوگی، یہ ڈر اور خطرہ ہوتا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے اسی مطلب کو واضح بتلایا ہے۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے جواب میں عرض کیا: إنک لتصل الرحم

---

(۱) أخرجه البخاری فی بدء الوحی برقم: ۳.

(۲) لامع الدراری ۱/ ۶-۵. (ط: المکتبة الرشیدیة، سهارنپور، یوپی)

و تحمل الکل و تکسب المعدوم آپ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور جن کے پاس مال نہیں ہے، ان کو کما کر دیتے ہیں، بوجھل مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، اور قدرتی مصائب کے موقع پر آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، کلا واللّٰہ لا یخزیک اللّٰہ أبدا. (اللہ تعالیٰ ہرگز آپ کو رسوا نہیں کریں گے) [۱] جو آدمی اس طرح اللہ کے بندوں کے کام آتا ہو اللہ تعالیٰ کبھی اس کو رسوا نہیں کرتے۔

یہ تو وہی فرشتہ ہے:

یہ جواب اپنی طرف سے دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید اطمینان دلانے کے لیے وہ اپنے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل کی خدمت میں لے گئیں، مکہ مکرمہ میں اس زمانہ میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا، جو اس وحی وغیرہ کے حقائق سے واقف ہو، ہاں! مکہ مکرمہ میں ان کے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل باقاعدہ مکہ مکرمہ سے سفر کر کے شام گئے تھے، وہاں انہوں نے عیسائیوں سے انجیل کی تعلیم حاصل کی تھی، اور عیسائی مذہب اختیار کیا تھا۔ باقاعدہ عبرانی زبان میں انجیل کو لکھتے تھے اور عربی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے تھے، بوڑھے ہو گئے تھے، بینائی بھی کمزور ہو گئی تھی، آسمانی کتابوں کے حال سے وہ واقف تھے اور تو کوئی تھا نہیں ایسا مکہ مکرمہ میں!!! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی کے پاس لے گئیں اور ان سے کہا کہ: اے میرے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنیے! پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے پوچھا: کیا ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا قصہ ان کے سامنے بیان فرمایا، تو انہوں نے جواب میں کہا: یہ تو وہی فرشتہ ہے، جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے پاس وحی لے کر آیا

---

(۱) أخرجه البخاري في بدء الوحي برقم: ۳.

کرتا تھا اور پھر انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کاش !اس وقت میں بھی زندہ رہوں، جب آپ لوگوں کو یہ پیغام پہنچائیں گے اور لوگ آپ کو وطن سے نکالیں گے، اس وقت اگر میں زندہ رہا، تو آپ کا بھرپور تعاون کروں گا، آپ کی بھرپور مدد کروں گا، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے تعجب سے پوچھا: أَوَ مُخْرِجِيَّ هم؟ کیا یہ لوگ مجھے نکالیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں! یہ چیز ایسی ہے کہ جو بھی اس سے پہلے اس طرح کی دعوت لے کر کے آیا ہے اس کو لوگوں نے نکالا ہے۔ گویا اس وقت یہ چیز آپ کے ساتھ بھی پیش آنے والی ہے۔ [۱] بس! یہ پہلی وحی تھی۔

وقفہ:

اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، پہلی وحی کے بعد آپ پر جو کیفیت طاری ہوئی تھی اس سے آپ کو اطمینان حاصل ہو، ایک مدت تک اطمینان کے حصول کا آپ کو موقع دیا گیا تھا، اب کتنے دنوں تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا؟ اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں، محمد بن اسحاقؒ (امام المغازی) فرماتے ہیں: ۳؍سال۔ [۲] اور عامۃً کتب سیر میں یہی لکھا ہوا ہے، لیکن (۱۲؍دن، ۱۵؍دن، ۴۰؍دن) ۲؍سال، ڈھائی سال اور ۶؍مہینے کا بھی قول مذکور ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسی ۶؍مہینے والے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ [۳]

---

(۱) أخرجه البخاري في بدء الوحي برقم: ۳.

(۲) فتح الباري ۱/۲۶ (ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) فتح الباري ۱/۲۶ (ط: دار الكتب العلمية بيروت)

اصلی شکل میں پہلا دیدار:

اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کا غارِ حرا میں عبادت کے لیے آنا جانا دوبارہ شروع ہوا اور اسی طرح معمول کے مطابق آتے جاتے تھے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ایک دن میں غار سے گھر جانے کے لیے باہر نکلا اور نیچے کھلے میدان میں آیا، اور اچانک میں نے ایک آواز سنی، میں نے اوپر دیکھا، تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غارِ حرا میں وحی لے کر کے آیا تھا وہ آسمان کے بیچ ایک کرسی پر براجمان ہے، گویا حضرت جبریلؑ کو اپنی اصلی شکل میں اس موقع پر دیکھا۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ (التکویر/ ۲۳) یہ پہلا موقع ہے۔

دوسری دفعہ دیدار:

اور دوسرا موقع جب حضور ﷺ معراج میں تشریف لے گئے تھے، تو سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو حضرت جبریلؑ نے کہا: بس آگے آپ جائیے! اس سے آگے میں نہیں جا سکتا، وہاں بھی حضرت جبریلؑ کو حضور ﷺ نے اپنی اصلی شکل میں دیکھا تھا، اس کا تذکرہ سورۂ والنجم میں ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی (والنجم/ ۱۳) بہر حال! یہ دو موقعے تھے، جن میں نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت جبریلؑ کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔[1] (اُس سے آگے کوئی نہیں جا سکتا، دنیا سے جانے والی ساری چیزیں ختم ہوتی ہیں، سدرۃ المنتہیٰ بیری کا ایک بڑا حسین وجمیل درخت ہے)

تو آپ نیچے اتر کر وادی میں چل رہے تھے اور اوپر نگاہ پڑی، تو کھلے آسمان میں کرسی کے اوپر معلق دیکھا، جس کی وجہ سے آپ پر ایک گھبراہٹ سی طاری ہوگئی اور آپ

(۱) أخرجه البخاري في التفسير برقم: ۴۵۷۴ ومسلم في الإيمان برقم: ۱۷۰.

نیچے گر گئے، پھر آپ اٹھ کر گھر گئے، گھبرائے ہوئے، اور کہا: دثرونی دثرونی، مجھے چادر اوڑھاؤ! اوراسی موقع پر سورۂ مدثر یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ یہ پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔سورۂ اقرأ کی پانچ آیتیں پہلی وحی میں اور سورۂ مدثر کی پانچ آیتیں دوسری وحی میں نازل ہوئیں، آپ کھڑے ہوجایئے اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے۔اس لیے کہ ابھی تک ایمان لانے والوں کی معقول تعداد نہیں تھی،سب کفر ہی پر تھے،سب کو ڈرانے ہی کی ضرورت تھی، چناں چہ اس کے بعد سے نبیٔ کریم ﷺ نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا شروع کیا، یہ دوسری وحی تھی ۔ بخاری شریف میں منقول ہے کہ اس کے بعد وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ (۱)

وحی کے معنیٰ:

وحی: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے مخصوص بندوں یا رسل پر پہنچائے جانے والے پیغام کو وحی کہتے ہیں۔لغوی اعتبار سے وحی الإعلام بخفية چپکے سے، پوشیدہ طور پر کسی کو کوئی بات بتلانے کو کہتے ہیں۔اور صاحب مفردات القرآن نے السرعة کا اضافہ بھی کیا ہے۔ (۲) تیزی سے اور چپکے سے کہ دوسروں کو پتہ نہ چلے۔ جب بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، اس وقت لوگ موجود ہوتے تھے،لیکن لوگوں کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ کے پاس کون سی چیز آئی؟

---

(۱) أخرجه البخاري في بدء الوحي برقم: ۴۔

(۲) المفردات في غريب القرآن ۱/ ۸۵۸ (ط: دار القلم والدار الشامية، دمشق، بيروت)

وحی کا سلسلہ:

وحی کا یہ سلسلہ ۲۳ / سالہ دور نبوت میں آخر عمر تک رہا۔ اور وحی کے نزول کی کل مدت ۲۲ / سال، ۵ / مہینے، ۱۴ / دن ہے یعنی اگر ۱۷ / رمضان سے حساب لگایا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ۱۱ / یا ۱۲ / ربیع الاول کو شمار کی جائے (راجح قول کے مطابق) تو یہ حساب بنتا ہے۔ اور پورا قرآن اسی درمیان میں نازل ہوا۔ آپ کی سب سے پہلی اور دوسری وحی وہی تھی جس کا ذکر اوپر ہوا، اور آخری وحی وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ جو سورۂ بقرہ میں ہے، اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ یہ قول بھی ہے، اس کو بھی اخیری وحی میں شمار کیا جاتا ہے۔

وحی کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں، کبھی تو پوری سورت نازل ہوتی تھی، سورۂ انعام یک بارگی پوری نازل ہوئی ہے، یہ سب سے بڑی وحی ہے، جو ایک وقت میں نازل ہوئی، اور سب سے چھوٹی وحی غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ ہے، یہ ایک موقع پر نازل ہوئی۔

نزولِ وحی کے طرق:

وحی کے لیے کیا طریقہ ہوتا تھا؟ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت منقول ہے: حضرت حارث بن ہشامؓ - جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے- نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! کیف یأتیک الوحی؟ اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أحیانًا یأتینی مثل صلصلۃ الجرس کبھی تو میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور جب وحی مکمل ہوجاتی ہے، تو اس وحی کے ذریعہ جو کچھ مجھ پر نازل ہوتا ہے میں اس کو محفوظ کر

چکا ہوتا ہوں۔ گھنٹی کی آواز سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ یہاں تسلسل مراد ہے، یعنی جب گھنٹی بجتی ہے، تو اس کی آواز مسلسل ہوتی ہے اور مسلسل بجنے کی صورت میں اس کی آواز کی جہت بھی متعین نہیں ہوتی، اگر لگاتار گھنٹی بجائی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف سے آواز آرہی ہے۔ گویا وحی کی آواز تسلسل کے ساتھ اور ہر جہت سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، اسی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: وھو أشدہ عليّ، وحی کے آنے کے جو طریقے ہیں ان میں سب سے زیادہ سخت طریقہ یہی ہے۔ حضرت عائشہؓ اس کے متعلق فرماتی ہیں کہ سخت سردی کے زمانہ میں جب آپ پر وحی آتی، تو آپ ﷺ کی پیشانی پسینے سے شرابور ہو جاتی۔ (۱) اس سے وحی کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کی سانس خراٹوں کی طرح ہوا کرتی تھی۔

دوسرا طریقہ جو اسی روایت میں حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: فرشتہ میرے پاس انسانی شکل میں آتا ہے، حضرت جبریلؑ انسانی شکل میں تشریف لاتے، مگر دوسرے لوگ نہ دیکھ سکتے، آپ ﷺ کے پاس جب بھی انسانی شکل میں آتے، تو حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ (ایک صحابی ہیں، بڑے حسین وجمیل تھے، دیگر ممالک میں جاتے، تو ان کو دیکھنے کے لیے عورتیں اور بچے باہر نکل پڑتے تھے، اتنے حسین تھے) کی شکل میں حضور ﷺ کے پاس آتے تھے۔ (۲) جن لوگوں کو نظر آئے ان کے متعلق یہ منقول ہے کہ آخر عمر میں ان کی بینائی ختم ہو گئی، ایک مرتبہ حضرت عباسؓ حضور ﷺ کی ملاقات کے لیے آئے، سلام کیا،

---

(۱) أخرجه البخاري في بدء الوحي برقم: ۲.

(۲) أخرجه النسائي في سننه برقم: ۴۹۹۱ (ط: مكتب المطبوعات الإسلامية حلب) والطبراني في الأوسط برقم: ۷ (ط: دار الحرمين، القاهرة) وفي الكبير برقم: ۷۵۸ ط: مكتب ابن تيمية، القاهرة.

لیکن حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، توجہ نہیں فرمائی، ان کے ساتھ صاحب زادے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ شکوہ کرنے لگے: کیا بات ہے حضور ﷺ میرے سلام کا جواب نہیں دے رہے ہیں؟ میری طرف توجہ نہیں کر رہے ہیں؟ توحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ دیکھتے نہیں کہ حضور ﷺ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بات کر رہے ہیں۔(پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حضرت جبرئیل تھے)[1] توحضرت عباس ﷺ کو نظر نہیں آئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو نظر آئے۔اس کا اثر یہ ہوا کہ آخری زمانے میں ان کی بینائی باقی نہیں رہی۔یہ بھی منقول ہے۔[2] یہ دو طریقے تو عام طور پر قرآن کی وحی کے تھے۔

اس کے علاوہ دیگر شکلیں بھی تھیں، حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں دو مرتبہ نظر آئے تھے۔اور پھر معراج کے موقع پر جب نبیٔ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے،تو وہاں براہ راست اللہ تعالیٰ سے بات ہوئی۔چناں چہ زندگی میں یہ ایک ہی موقع ہے،ورنہ دنیا میں تو بات ہو ہی نہیں سکتی۔نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز آپ ﷺ کے قلب مبارک میں ڈالی جاتی، یہ بھی وحی کی شکل تھی۔کبھی حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف سے آپ ﷺ کے قلب میں بات ڈالی جاتی،کبھی خواب میں کوئی چیز دکھلائی جاتی، نبی کا خواب بھی وحی کے حکم میں ہوتا ہے۔اسی لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ کہیں سفر میں نبیٔ کریم ﷺ اگر آنکھ بند ہونے کی حالت میں لیٹے ہوئے ہوتے،توکوئی بھی صحابی آپ کو نہ جگاتا،اس لیے کہ پتہ نہیں

---

(۱) أخرجه أحمد بن حنبل في مسنده برقم: ۲۶۷۴ و ۲۸۴۳ ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت

(۲) أخرجه الحاكم في المستدرك برقم: ۶۳۴۱ ط: دار المعرفة بيروت و الطبراني في الأوسط برقم: ۳۸۳۳ (ط: مكتب المعارف)

اس حالت میں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل نہ ہو رہی ہو۔

ایک سفر میں رات کے آخری حصہ میں سب کے اصرار پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا، چناں چہ سب لیٹ گئے، لیٹتے ہی سب کی آنکھ لگ گئی، حتی کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے ایک صحابی اٹھے، پھر دوسرے اٹھے، پھر تیسرے اٹھے، پھر چوتھے نمبر پر حضرت عمرؓ اٹھے، ان میں سے ایک صحابیؓ کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بھی لیٹے ہوئے ہیں۔ ہم حضور کو کبھی خواب سے بیدار نہیں کرتے اس وجہ سے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل نہ ہو رہی ہو اور ہم جگا دیں، تو وحی کا انقطاع ہو جائے۔ حضرت عمرؓ جب اٹھے تو ویسے تو نہیں جگایا، لیکن زور زور سے اللہ اکبر کہنے لگے، تو اس آواز کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی آنکھ کھل گئی۔[1] اور ہر نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیلؑ کو خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھا، تو اس کو وحی پر ہی محمول کیا۔ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (الصفت: ۱۰۲) قرآن میں اس کا تذکرہ ہے۔ وحی کی بنیاد پر ہی اس کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ اور بھی کچھ طریقے بتلائے جاتے ہیں، لیکن زیادہ تر قرآن کی وحی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتی تھی وہ پہلی دو شکلوں میں ہوا کرتی۔ اس طرح پورا قرآن آپ کے پورے دورِ نبوت کے دوران نازل ہوا۔

مکی و مدنی سورتیں:

مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے زمانے میں کچھ سورتیں نازل ہوئیں، ان کو مکی سورتیں کہا جاتا ہے، اور بعض مکی سورتیں ایسی بھی ہیں جن میں کچھ آیتیں مدینہ منورہ میں

(۱) أخرجه البخاري في صحيحه برقم: ۳۴۷.

نازل ہوئیں، تو ان کو اکثر آیتوں کے اعتبار سے مکی کہا جاتا ہے۔ ۸۷/سورتیں مکی ہیں اور ۲۷/سورتیں مدنی ہیں دونوں کو ملانے سے ۱۱۴/ہو جاتی ہیں۔[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جانے سے پہلے جتنی بھی سورتیں نازل ہوئیں، وہ سب مکی کہلاتی ہیں، حتیٰ کہ ہجرت کے سفر کے دوران مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل بھی جو سورتیں نازل ہوئیں، وہ سب بھی مکی ہی کہلاتی ہیں۔ اور مدینہ پہنچنے کے بعد جتنی بھی آیتیں یا سورتیں نازل ہوئیں، وہ سب مدنی کہلاتی ہیں۔ چاہے وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں۔ (هذا أحد الأقوال و عليه الجمهور)

چابی مجھے دے دیجیے:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ فتح کرنے کی غرض سے حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ نے کعبۃ اللہ کی چابی منگوائی اور کعبۃ اللہ کھولا گیا اور چابی آپ کے ہاتھ میں تھی، اسی حالت میں آپ نے خطبہ دیا، جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چابی کا مطالبہ کیا، آپ چابی مجھے دے دیجیے تاکہ حاجیوں کو پانی پلانے (سقایہ) کے ساتھ ساتھ کعبۃ اللہ کی کلید برداری کا عہدہ بھی مجھے مل جائے۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ (النساء: ۵۸) یہ عین کعبہ میں نازل ہوئی۔[2] پھر بھی اس کو مدنی کہیں گے، مکی نہیں کہیں گے، اس لیے کہ وہ ہجرت

---

(۱) نقله ابن عباس عن أبي بن كعب رضي الله عنه. الإتقان في علوم القرآن ۱/۳۸ (ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب)

(۲) راجع "لباب النقول في أسباب النزول" للسيوطي ۱/۲۰ (ط: دار الكتب العلمية بيروت)

کے بعد نازل ہوئی، تو ہجرت کے بعد جتنی بھی آیتیں نازل ہوئیں چاہے وہ مدینہ میں ہوں یا مدینہ سے باہر کسی سفر میں ہوں یا مکہ مکرمہ ہی میں کیوں نہ ہوں، حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے موقع پر، تو وہ بھی مدنی ہی کہلاتی ہیں۔ ہجرت سے پہلے جو نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔ تو مکی سورتیں ۸۷/ ہیں اور مدنی سورتیں ۲۷/ ہیں، کل ۱۱۴/ ہو جاتی ہیں۔ یہ قرآن پاک کے نزول کی تفصیل ہے۔

سورۂ فاتحہ

(قسط-۱)

مؤرخہ ۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۷ / جنوری ۲۰۱۸ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَاوَ نَعُوذُبِاللّٰهِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَاوَ مِنْ سَيِّأٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهدُ أَنَّ سَيِّدَنَاوَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ أَرْسَلَهٗ إِلٰى كَافَّةِ النَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

الحمد للّٰه رب العٰلمين ۝ الرحمٰن الرحيم ۝ مٰلک يوم الدين ۝ اياک نعبد و اياک نستعين ۝ اهدنا الصراط المستقيم ۝ صراط الذين انعمت عليهم ۝ غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝

سب سے پہلے مکمل نازل ہونے والی:

یہ سورۂ فاتحہ ہے، جو قرآن پاک کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورت ہے، نزول کے اعتبار سے تو پہلی نہیں ہے، سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں اور ان کے بعد سورۂ مدثر کی پانچ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے مکمل نازل ہونے والی سورت، سورۂ فاتحہ ہے۔ اور یہ مکی ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دوبارہ اس کا

نزول مدینہ منورہ میں بھی ہوا۔ گویا مکی بھی ہے اور مدنی بھی ہے۔

یہ سات آیتیں ہیں ، البتہ سات آیتوں کی تعیین کے سلسلہ میں ائمہ کے درمیان تشریح میں قدرے اختلاف ہے:

امام شافعیؒ کے نزدیک بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بھی سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اوران کےنزدیک صراط الذین انعمت علیھم ،غیر المغضوب علیھم ولا الضالین یہ پوری ایک آیت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سات آیتیں ہیں ،الحمد للہ رب العٰلمین ۝ یہ پہلی ہے اور صراط الذین انعمت علیھم ۝ پر چھٹی آیت ختم ہوتی ہے اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝ پر ساتویں آیت مکمل ہوتی ہے۔اس طرح سات آیتیں ہیں،اس پر سب کا اتفاق ہے۔

سورۂ فاتحہ کے مختلف نام:

اس سورت کے بہت سارے نام ہیں:

(۱) علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں ۲۵ رنام بتائے ہیں۔ [1] ان میں سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحۃ ہے۔الفاتحۃ یعنی وہ سورت جس سے قرآن پاک کی ابتداء ہورہی ہے۔قرآن پاک کے دیباچہ،پیش لفظ (પ્રસ્તાવના) کے طور پر، گویا قرآن پاک کی ابتداءاسی سورت سے ہورہی ہے، نیز نماز کی ابتداء بھی اسی سورت سے ہوتی ہے اس اعتبار سے اس کوالفاتحۃ نام دیا گیاہے۔

---

(۱)الإتقان فی علوم القرآن ۱/۱۹۱ (ط: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب)

(۲)فاتحة القرآن۔

(۳)أم الكتاب اور أم القرآن: قرآن پاک کے مضامین کو اجمالی طور پر اس سورت میں بیان کردیا گیا ہے، لہٰذا اس کو ام الکتاب اور ام القرآن کا نام دیا گیا ہے۔

(۴)السبع المثانی: مثانی، مثنیٰ کی جمع ہے، جس کا تکرار کیا جائے، یعنی وہ سات آیتیں جن کو بار بار پڑھا جاتا ہے، کیوں کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

(۵)سورة السوال و سورة المناجاة: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات سے مانگنے کا طریقہ اس سورت میں سکھلایا ہے۔

(۶)سورة الحمد: اس کی شروعات الحمد للہ رب العٰلمین ۝ سے ہوتی ہے، ابتداءً اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی گئی ہے اس معنیٰ کی وجہ سے اس کو سورۃ الحمد بھی کہتے ہیں۔

(۷)سورة الصلاة: نماز کی ہر رکعت کے اندر یہ پڑھی جاتی ہے۔

چناں چہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرمایا: قسمت الصلاة بيني و بين عبدی نصفين (میں نے صلاۃ کو (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا) چناں چہ بندہ جب الحمد للہ رب العٰلمین ۝ پڑھتا ہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: حمدنی عبدی (میرے بندے نے میری حمد وتعریف کی)

جب بندہ الرحمٰن الرحیم ۝ کہتا ہے، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: أثنیٰ علیّ عبدی (میرے بندے نے میری ثنا بیان کی)

جب بندہ کہتا ہے مٰلك یوم الدین ۝ تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: مجّدنی عبدی (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)

جب بندہ کہتا ہے إیاك نعبد و إیاك نستعین تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: هذا بيني و بين عبدي و لعبدي ما سأل (یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کو وہ مل گیا/مل جائے گا، جو اس نے مانگا)[1]

اس کے بعد جو آیت بندہ پڑھتا ہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: هذا لعبدي و لعبدي ما سأل (یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ مل جائے گا/ دیا جائے گا، جو اس نے مانگا)

اس میں نصف (ساڑھے تین آیتیں) بندے کی درخواست کی شکل میں ہے، اور ساڑھے تین آیتیں اللہ کی حمد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اس سورت کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا ہے۔

(۸) سورۃ الشفاء: اس کو پڑھ کر دم کرنے سے بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ کسی علاقے میں بھیجا، جب صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے تو بستی والوں نے اُن کی میز بانی نہیں کی، حالاں کہ اصول کے مطابق ان کو میز بانی کرنی چاہیے تھی، پھر اتفاق سے اس قبیلے والوں کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا، ان لوگوں نے اس کا زہر اتارنے کے لیے اپنی ساری تدبیریں کر لیں، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، تو ان لوگوں نے سوچا کہ یہ لوگ آئے ہیں، ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی جھاڑنا جانتا ہو، چناں چہ یہ لوگ اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے پاس آئے، پوچھا: تم لوگوں میں کوئی جھاڑنے والا ہے؟ تو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ہاں! میں جھاڑنا جانتا ہوں، لیکن تم نے ہماری میز بانی تو کی نہیں! اس لیے ہم

---

(۱) أخرجه مسلم برقم: ۳۹۵.

علاج نہیں کریں گے۔ اس کے بعد پھر ان کے ساتھ معاملہ ہوا، اور ۳۰ یا ۴۰ بکریاں طے ہوئیں، اور حضرت ابوسعید خدری ؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر اس پر دم کیا، تو سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو گیا۔ اب ان بکریوں کا کیا کریں؟ تو ساتھیوں نے کہا: تقسیم کرلیں، تو حضرت ابوسعید خدری ؓ نے کہا: نہیں! ہم حضور ﷺ کی خدمت میں پوری بات پیش کریں گے اور آپ ﷺ اس کے متعلق جو فیصلہ فرمائیں گے، اس پر عمل ہوگا۔ چناں چہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضور اکرم ﷺ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا، تو حضور ﷺ نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے فرمایا: تمھیں کیسے پتہ چلا کہ اس سے جھاڑا جاتا ہے؟ اور پھر جو معاوضہ لیا گیا تھا اس کو آپ ﷺ نے رکھنے کی اجازت دے دی کہ اس کو تقسیم کرلو، اور اس کے اندر میرا بھی حصہ رکھو۔ [1]

لہٰذا یہ سورۂ شفا کسی بھی بیماری میں پڑھ کر دم کیا جائے، تو اس بیماری میں شفا ہوتی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے ذریعہ دم:

بعضوں نے شفا کے مخصوص طریقے بھی بیان کیے ہیں۔

حضرت شیخؒ نے فضائل قرآن کے اخیر میں مخصوص سورتوں کے فضائل کے تحت سورۂ فاتحہ کے سلسلہ میں مشائخ کا عمل تحریر فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اگر سورۂ فاتحہ کو بسم اللہ سمیت - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم کو الحمد کے لام کے ساتھ ملا کر - فجر کی نماز اور سنتوں کے درمیان ۴۱ ؍ مرتبہ، ۴۰ ؍ روز تک پڑھے گا، بیمار پر دم کرے گا یا پانی پر دم کر کے پلائے گا تو اس سے شفا حاصل ہوگی۔ (فضائلِ اعمال ۱ / ۵۴۵ ط: ادارۂ دینیات ممبئی)

(۹) سورۂ وافیہ۔

---

(۱) أخرجه البخاري برقم: ۲۱۵۶.

(۱۰) سورۂ کافیہ۔

فضائلِ سورۂ فاتحہ:

اس سورت کے بڑے فضائل بھی وارد ہوئے ہیں، بخاری شریف میں اس کی فضیلت کے سلسلہ میں روایت آئی ہے: حضرت ابوسعید بن معلیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا، اور نبیٔ کریم ﷺ نے مجھے آواز دی، تو نماز میں ہونے کی وجہ سے میں فوراً نہیں گیا، میں نماز پوری کر کے پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بلایا تو فوراً کیوں نہیں آئے؟ کیا تم نے قرآن پاک کی یہ آیت نہیں پڑھی؟ یایها الذین امنوا استجیبوا لله و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ (الانفال:۲۴) (اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو، جب کہ وہ تم کو ایک ایسی چیز کے لیے پکاریں، جس میں تمہارے لیے حیات ہے) تو حضرت ابوسعید ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نماز میں تھا۔

اگر حضور ﷺ دورانِ صلوٰۃ بلائیں تو......:

علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی کو حضور پاک ﷺ بلاویں اور وہ نماز میں ہو تو اس کے لیے جواب دینا واجب ہے۔ اور اس جواب کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

اکثر شافعیہ وحنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اِن میں سے بعض جواز کے قائل ہیں۔ بعض احناف نماز کے ٹوٹنے کے قائل ہیں جیسے امام طحاویؒ وغیرہ۔ شوافع میں سے حافظ ابن حجرؒ نے ٹوٹنے کا حکم لگایا ہے، اور احناف میں سے بھی بعض نے

ٹوٹنے کا حکم لگایا ہے۔ ہاں! جواب دینا ضروری ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے قبل ایک ایسی سورت بتلاؤں گا، جو قرآن کے اندر تمام سورتوں میں سب سے عظیم ہے، پھر حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور چلنے لگے، چلتے چلتے جب مسجد کے دروازے تک پہنچے، اب تک وہ سورت بتلائی نہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں دروازے سے باہر نہ نکل جائیں، تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تم کو قرآن کی سورتوں میں سب سے عظیم سورت بتلاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہے الحمد للہ رب العٰلمین ۝ ھی السبع المثانی و القران العظیم الذی أوتیتُه یہی وہ سات آیتیں ہیں جن کا تکرار کیا جاتا ہے، اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے دیا گیا ہے۔ (۱)

دو نور:

مشکوٰۃ شریف میں بحوالۂ مسلم شریف ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اور آسمان سے ایک آواز سنائی دی، آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا کہ آج آسمان کا ایک دروازہ کھلا، جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اور اس میں سے ایک فرشتہ نیچے آرہا ہے، جو کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، اس فرشتے نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو مبارک باد دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ کو دو ایسے نور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے کہ

---

(۱) أخرجه البخاری برقم: ۴۴۲۶.

آپ ﷺ سے پہلے دیگر انبیاءِ کرام کو عطا نہیں کیے گئے، ایک تو سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی اخیری آیتیں، اور یہ دعا جو بھی مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں گے۔ (۱) یہ بھی سورۂ فاتحہ کی فضیلت میں شامل ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۂ فاتحہ ایک ایسی سورت عطا فرمائی جو نہ تورات میں ہے، نہ زبور میں ہے، نہ انجیل میں ہے، نہ قرآن میں اس جیسی کوئی سورت ہے۔ گویا کسی کتاب میں اس کا کوئی بدل موجود نہیں ہے۔ اور یہی وہ سات آیتیں اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (۲)

تعوذ کا حکم:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

ترجمہ: پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے۔

قرآن پاک کی تلاوت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے **فاذا قرات القران فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم۔** (النمل: ۹۸) (اے نبی! آپ جب قرآن پڑھنا شروع کریں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کریں) اس حکم کی وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے تعوذ یعنی اعوذ باللہ پڑھنا مسنون قرار دیا گیا ہے۔ اور تعوذ کے الفاظ عام طور پر جو حدیث شریف میں آئے ہیں وہ أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ہیں، اور بعض نے أعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم بھی بتایا ہے لیکن زیادہ مشہور

---

(۱) أخرجه مسلم برقم: ۸۰٦.

(۲) أخرجه الترمذی برقم: ۲۸۷۵ (ط: مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

یہی ہے جو عام طور پر ہم پڑھتے ہیں۔

اور یہ صرف قرآن کی تلاوت سے پہلے ہے، چاہے قرآن کی تلاوت نماز میں ہو چاہے نماز سے باہر ہو، نماز میں بھی جب پہلی رکعت میں قرآن شروع کیا جائے، تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھی جائے گی۔

ہر رکعت میں تعوذ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ یا صرف پہلی رکعت میں پڑھا ہوا سب کے لیے کافی ہے؟

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: ہر رکعت میں پڑھنا ضروری نہیں ہے، پہلی رکعت میں پڑھا ہوا بعد کی رکعتوں کے لیے بھی کافی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ہر رکعت میں پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

اور تلاوت کے دوران اگر کسی دنیوی چیز میں مشغول ہوں جیسے کسی کے ساتھ بات کر لی یا کوئی چیز کھا - پی لی، تو اس صورت میں دوبارہ تعوذ پڑھا جائے گا۔ یہ تعوذ کا حکم ہے۔ اور تعوذ قرآن کے ساتھ خاص ہے، قرآن کے علاوہ آپ کوئی اور کتاب پڑھیں یا کوئی اور مضمون پڑھیں تو اس کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اور مسنون بھی نہیں ہے۔ یہ قرآن کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔ حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کرے گا تو اس میں یہ خطرہ رہتا ہے کہ شیطان اس کے فہم و فکر میں کہیں گمراہی کا کوئی پہلو داخل نہ کر دے، تو اس سے حفاظت کے لیے تعوذ کا حکم دیا گیا ہے۔

تسمیہ کا حکم:

قرآن کی تلاوت سے پہلے تسمیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھنا چاہیے۔

قرآن پاک میں ایک بسم اللہ تو سورۂ نمل کی ایک آیت کا ایک حصہ ہے انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحیم ، اس کی پوری آیت بھی نہیں، آیت کا ایک حصہ ہے، وہ تو قرآن پاک کا جزء ہے ہی، اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک میں سورۂ توبہ کے علاوہ ۱۱۳/ سورتوں کے اوپر بسم اللہ لکھی گئی ہے، اس سلسلہ میں تین نظریات ہیں:

(۱) امام مالکؒ کا نظریہ یہ ہے کہ نہ تو قرآن پاک کا جز ہے نہ ہی سورتوں کا جز ہے، اس کو امام مالک سورتوں کا جز بھی نہیں مانتے اور قرآن کا جز بھی نہیں مانتے۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ایک مستقل آیت ہے (سورۂ نمل کے علاوہ) جو اللہ تعالیٰ نے دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے نازل فرمائی ہے، چناں چہ حضور ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوتی تھی تو حضور ﷺ کو پتہ چل جاتا تھا کہ ایک سورت ختم ہوئی اور دوسری سورت شروع ہو رہی ہے۔ گویا فصل بین السور کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمائی ہے، تو یہ ایک آیت، تمام سورتوں کے شروع میں لکھی گئی ہے۔

بسملہ تمام سورتوں کا یا سورۂ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مستقل آیت ہے، ۱۱۳/ آیتیں نہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو پورے قرآن میں ایک آیت شمار کیا گیا ہے، اور صحابہ کے آپس کے اجماع سے اس کو تمام سورتوں کے شروع میں لکھا گیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ۱۱۳/ آیتیں ہیں، تو اس اعتبار سے آیتوں کی تعداد بڑھ جائے گی، اور جس سورت پر وہ لکھی گئی ہے، اس سورت کا وہ جز اور حصہ ہے۔ سورۂ فاتحہ کے متعلق تو تمام شافعی حضرات کا اتفاق ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے۔ باقی سورتوں میں علماءِ

شوافع کے درمیان دو قول ہیں؛ لیکن راجح قول یہی ہے کہ باقی سورتوں کا بھی حصہ ہے۔ گویا ان کے نزدیک بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم سورۂ توبہ کے سوا ہر سورت کا حصہ ہے۔ اور درمیان میں بھی ایک سورت پوری کر کے جب دوسری سورت شروع کریں گے، تو بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے گی، لیکن جب درمیان میں سورۂ توبہ شروع کریں گے تو وہاں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھی جائے گی۔ ہاں! جب ابتداءً سورۂ توبہ ہی سے تلاوت شروع کر رہے ہیں، تو اس سورت میں أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم کے ساتھ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے گی۔ اس لیے کہ قرآن کی تلاوت کے شروع میں أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم کے ساتھ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بھی پڑھی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان اور بڑا مہربان ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم میں بٓ ہے اور اسمٓ ہے اور لفظ اللہ ہے۔ ب کو اسم کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ عربی زبان میں ب مختلف معانی کے لیے آتا ہے۔ ان معانی میں سے تین معنیٰ یہاں مراد لیے جا سکتے ہیں۔

(۱) مصاحبت: ایک چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ متصل ہونا۔

(۲) استعانت: کسی چیز سے مدد حاصل کرنا۔

(۳) تبرک: کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔

اِن تینوں اعتبار سے معنیٰ یوں ہوں گے:

اگر مصاحبت والا معنیٰ مراد لیں تو مطلب ہوگا ''اللہ کے نام کے ساتھ''۔

اگر استعانت والا معنیٰ مراد لیں تو مطلب ہوگا ''اللہ کے نام کی مدد سے''۔

اور اگر تبرک والا معنیٰ مراد لیں تو مطلب ہوگا ''اللہ کے نام کی برکت سے میں شروع کر رہا ہوں''۔

لفظ ''اللہ'' یہ ذاتی نام ہے اور الرحمٰن اور الرحیم یہ صفاتی نام ہیں۔ یعنی اس میں اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ۱۰۰/ سے بھی زیادہ صفاتی نام ہیں، تو حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک ذات کے اگر مختلف نام ہوں، تو وہ اس کے اوصاف اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ ذات بہت سارے اوصاف کی جامع ہے۔ اور ان اوصاف کو تعبیر کرنے کے لیے ڈکشنری اور لغت میں کوئی ایک لفظ نہیں ہے، اس لیے الگ الگ الفاظ سے اُن اوصاف کو ظاہر کیا جاتا ہے، یہی صفاتی نام کہلاتے ہیں۔ جیسے کسی کو مولانا، حافظ، قاری، مولوی، مفتی کہا جاتا ہے، تو ایک شخص کے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں، وہ قرآن کا حافظ بھی ہے، قرآن کو عمدہ طریقے سے پڑھنے کا طریقہ بھی اس نے سیکھا ہوا ہے، عالم بھی ہے، قرآن کے مطالب سے بھی واقف ہے اور فتویٰ دینے کا طریقہ بھی جانتا ہے۔ یہ مختلف کمالات ہیں ان کمالات کو تعبیر کرنے کے لیے کوئی ایک لفظ موجود نہیں، اس لیے اس کے ساتھ مختلف صفاتی نام جوڑے گئے۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کمالات کو اور اس کے اوصاف کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے بہت سارے نام ہیں۔ اسی طرح نبئ کریم ﷺ کے بھی بہت سارے صفاتی نام ہیں۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ کے جو بہت سارے نام بتلائے گئے وہ اسی طرح سمجھے جائیں گے کہ سورۂ فاتحہ کے اندر بہت سارے اوصاف اور خوبیاں ہیں، ان خوبیوں کو تعبیر کرنے کے لیے کوئی ایک لفظ نہیں تھا اس لیے مختلف اور الگ الگ نام اس کے لیے وضع کیے گئے۔

الرحمٰن الرحیم

لفظ رحمٰن اور رحیم دونوں رحمت سے بنے ہیں۔لیکن دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔ لفظ رحمٰن اللہ کی رحمت کے عموم کو بتلاتا ہے یعنی اللہ کی رحمت سب کو شامل ہے، عامۃً اس کا ترجمہ کرتے ہیں؛ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔لیکن حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''شروع اللہ کے نام سے جوسب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے'' گویا دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں، ان میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کو اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہو۔تمام انسان، تمام جانور، تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہے،لہٰذا رحمت کے عموم کو بتلانے کے لیے رحمٰن سے تعبیر کیا گیا۔

اور رحیم کا لفظ رحمت کے کمال کو بتلانے کے لیے ہے، یعنی وہ بڑا مہربان ہے، اس کی رحمت کامل اور مکمل ہے۔مفسرین لکھتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام مخلوقات کو شامل ہے اس لیے لفظ رحمٰن کا اطلاق دنیوی اعتبار سے ہے۔اور آخرت میں اللہ کی رحمت جس کو بھی شامل ہوگی پورے طور پر شامل ہوگی۔اس لیے کہ دنیا کی ساخت ہی ایسی ہے کہ اس میں رحمت کامل طور پر شامل نہیں ہوسکتی ہے، دنیا میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے، گویا دنیا کا ظرف اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل رحمت اس مخلوق کو حاصل ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ نے تین دار بنائے ہیں:

(۱) جنت: جس میں خیر ہی خیر ہے، وہاں شر کا شائبہ نہیں۔

(۲) جہنم: جس میں شر ہی شر ہے، وہاں خیر کا کوئی شائبہ نہیں۔

(۳) دنیا: جس میں خیر اور شر دونوں ملے ہوئے ہیں۔ یہاں کوئی خوشی ایسی نہیں جس کے ساتھ غم کی ملاوٹ نہ ہو۔دنیا کی بناوٹ ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے، اس لیے

یہاں اللہ کی رحمت جس کسی کو بھی حاصل ہوگی وہ کامل حاصل ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ دنیا کے حالات کے اعتبار سے اس میں وہ صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اللہ کی رحمت اپنی جگہ پر ہے؛ لیکن وہ مقام اور وہ محل، وہ جگہ ایسی نہیں ہے جس میں اللہ کی رحمت کامل طور پر آسکے۔ ظرف اور برتن میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا دنیا میں اللہ کی رحمت کسی پر کامل نہیں ہوگی، کامل تو آخرت ہی میں ہوگی۔ دنیا میں سب کو شامل ہے، کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے جس کو اللہ کی رحمت شامل نہ ہو۔ اس لیے اس کا ترجمہ اس طرح کریں گے: ''شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان، بڑا مہربان ہے۔''

الحمد للہ رب العٰلمین ۝

حمد: لغتاً کسی کے ذاتی کمالات کی بنیاد پر تعریف کرنا۔

مدح: کسی کے ذاتی کمال یا دوسرے کی دَین پر کی جانے والی تعریف پر مدح کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے تاج محل بڑا خوب صورت ہے اس کی تعریف کی جاتی ہے، تو تاج محل کی خوب صورتی اور کمال اپنا ذاتی نہیں ہے، بلکہ وہ کاریگر کی محنت کے نتیجے میں ہوا، اور کاریگر کی محنت اور اس کا فن بھی اس کا ذاتی کمال نہیں ہے، بلکہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ سو اس اعتبار سے دنیا میں جتنے بھی اربابِ کمال ہیں کسی کا بھی کمال اپنا ذاتی نہیں ہے، سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ تو لفظ ''حمد'' اللہ کے علاوہ کسی کے لیے بھی نہیں بولا جائے گا۔ اس لیے کہ حمد کا لفظ اُسی تعریف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو ایسے کمال پر کی گئی ہو جو ذاتی ہو، اور دنیا کی مخلوقات میں جس کا جو بھی کمال ہے وہ ذاتی نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ اس لحاظ سے اس کو حمد نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو مدح کہیں گے۔

الحمد للہ رب العٰلمین ۝

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

حمد اسم جنس ہے یعنی تمام تعریفیں۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع واجناس پیدا فرمائیں۔ جیسے انسان، جنات، جانوروں کی مختلف انواع، چرند وپرند، جمادات، نباتات ہر ایک کا ایک جہاں ہے، ایک انسانوں کا جہاں ہے، ایک جناتوں کا جہاں ہے، ہر مخلوق کا ایک الگ عالم ہے۔ پوری دنیا گویا بہت سارے عالموں کا مجموعہ ہے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے تمام (انسان، جنات، جانوروں کی مختلف اجناس وانواع) کا پالنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں جو دنیا ہمیں نظر آ رہی ہے، اس کے علاوہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے ایسے جہاں پیدا کیے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن آج کل سائنس دانوں کی تحقیق یہ ہے کہ ہماری اس دنیا کے چانداور سورج ہیں، یہ ہماری کہکشاں (Galaxy) ہیں۔ اس دنیا کے علاوہ بہت ساری کہکشائیں ہیں۔

ابھی دو روز قبل ہی اس سلسلہ میں ایک مضمون سامنے آیا تھا، تو میں نے اس کو بھی نوٹ کرلیا۔ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کتنی بڑی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پرورش اور تربیت کتنی عظیم الشان ہے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

چناں چہ مضمون نگار نے لکھا ہے:

”جس زمین پر ہم رہتے ہیں وہ ایک عام آدمی کے حجم کے مقابلہ میں بیس ارب کھرب گنا بڑی ہے، جب کہ ہمارا سورج ہماری زمین سے دس لاکھ گنا ہے، اس کے مقابلے میں Etacarainae نامی مشہور ستارہ ہمارے سورج سے بھی پچاس لاکھ گنا بڑا ہے، اس کے بعد Betel Geuse نامی

ستارے کا نمبر آتا ہے، جو ہمارے سورج سے تیس کروڑ گنا بڑا ہے، اور vy canismajioris نامی ستارے کی بڑائی کا کیا ہی کہنا! یہ ستارہ ہمارے سورج سے ایک ارب (یعنی ۱۰۰ ر کروڑ) گنا بڑا ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ جس کہکشاں میں ہم رہتے ہیں اس کا نام Milky way ہے، (یعنی ہمارے سورج چاند کو گجراتی میں સૂર્યમંડળ کہتے ہیں، اسی کو کہکشاں کہا جاتا ہے) اور ہماری صرف ایک کہکشاں میں ہمارے سورج جیسے تین سو ارب سے زائد سورج موجود ہیں، اور یہ کہکشاں اتنی بڑی ہے کہ اگر ہم کسی ایسی چیز میں سوار ہوں جو ایک سکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے یعنی ایک سکنڈ میں زمین کے سات چکر لگانے والی ہو تو اُس کو بھی ہماری کہکشاں کو پار کرتے کرتے ایک لاکھ سال لگ جائیں گے۔ اندازہ ہوا نا کہ ہماری کہکشاں کتنی بڑی ہے! لیکن نہیں، آئیں! ہم آپ کو اپنی پڑوسی کہکشاں میں لیے چلتے ہیں، اس کا نام Andromeda ہے وہ ہماری کہکشاں سے دوگنی ہے یعنی دو لاکھ سال لگ جائیں گے؛ لیکن یہ بھی چھوٹی ہے، M81 نامی کہکشاں ہماری کہکشاں سے ساٹھ گنا بڑی ہے۔ جب کہ IC1011 ہماری کہکشاں سے چھ سو گنا بڑی ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے نا اللہ اکبر کا کیا مطلب ہے؟

آئیں! ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا، جیسے ستاروں سے کہکشائیں بنتی ہے آپ کو معلوم ہے اسی طرح کہکشاؤں سے کلسٹر بنتے ہیں؟ اور جس کلسٹر میں ہماری کہکشاں واقع ہے اس کا نام ''ورِکو کلسٹر'' ہے اور صرف اس ایک کلسٹر میں ۴۷ ر ہزار کہکشائیں ہیں، اور معاملہ ابھی یہیں ختم نہیں ہوا، کلسٹرس بھی

آپس میں مل کر سوپر کلسٹر بناتے ہیں ، اور جس سوپر کلسٹر میں ہم رہتے ہیں، اس کا نام '' لوکل سوپر کلسٹر'' ہے اور اس سوپر کلسٹر میں سو کے قریب کلسٹر ہیں ، اور اس سوپر کلسٹر جیسے کم و بیش ایک کروڑ سوپر کلسٹر ہماری کائنات میں موجود ہیں ، جو ایک عظیم جال میں معمولی نقطوں کے مانند نظر آتے ہیں ؛ اور ان سب کو ایک ذات یعنی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔''

ہم نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں :

اب اس زمین کی حیثیت تو ان سب کے مقابلے میں ایک نقطے سے بھی کم سمجھی جاتی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کے فرمان : رب العٰلمین (سارے جہانوں کے پروردگار) کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں !!! ہماری جانکاری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو '' کنویں کے مینڈک '' لفظ بھی کم پڑتا ہے۔ آج کے سائنس داں جب ان سب تفصیلات کو بتلاتے ہیں تو ہماری عقل ان سب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ، سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بڑی کائنات !!!

سب کا پالنہار :

اللہ اس ساری کائنات کو بنانے والا بھی ہے اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا بھی ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے کمال تک پہنچانے والا بھی ہے۔ تربیت کسی بھی چیز کو درجہ بدرجہ، اس کی انتہاء تک پہنچانے کو کہتے ہیں۔ جیسے انسان ، بچہ پیدا ہوا، تو اس کی تربیت کا مطلب یہ ہے کہ بچپن سے لے کر ایک کامل انسان بننے تک جتنی بھی محنت کی جاتی ہے، اس کو تربیت سے تعبیر کریں گے ۔ تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں اور جہانوں میں جتنی بھی

مخلوقات ہیں ساری مخلوقات کا پالنہار ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ لگائیے! یوں کہا جاسکتا ہے کہ جتنی بھی تعریفیں ہیں ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں؛ اس لیے کہ دنیا میں جس چیز کی بھی تعریف کی جائے گی وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی۔ جیسے ایک مکان کی تعریف کریں گے، تو مکان کی تعریف دراصل اس مکان بنانے والے کی تعریف ہے، تو کائنات کی ساری مخلوق اللہ کی بنائی ہوئی ہے، تو کسی کی بھی تعریف کی جائے گی وہ تعریف سیدھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی۔ لہٰذا ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسی کی دلیل یہ رب العٰلمین بتلائی کہ وہ سارے جہانوں کا پالنہار ہے۔

سورۂ فاتحہ

(قسط-۲)

مؤرخہ ۱۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۴ / فروری ۲۰۱۸ء، شب یک شنبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّأٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ أَرْسَلَہٗ إِلیٰ کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا إِلیٰ اللّٰہِ بِإِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَ أَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝

ماقبل سے ربط:

اگلی مجلس میں ذکر کیا جاچکا کہ یہ پہلی سورت ہے جس کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔ اس میں پہلی تین آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو بندوں کی زبان سے کہلوایا ہے، گویا بندے اللہ کے حضور یہ مناجات پیش کرتے ہیں جس کے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف ہے، وہ صفات جو خاص اہمیت کی حامل ہیں، ان کو بیان کیا گیا ہے، پھر بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی کا اقرار کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ہی

سے میں مدد چاہتا ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے صراط مستقیم کی دعا کرتا ہے۔

الحمد للہ رب العٰلمین.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اس میں لفظ اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور بقیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی نام ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو بتلاتے ہیں۔

رب العٰلمین

جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ربوبیت کو ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو وجود عطا فرماتے ہیں، وجود کے بعد کمال بھی دیتے ہیں اور اس کمال کو انتہاء تک پہنچاتے ہیں۔

تربیت کہتے ہیں کسی چیز کو دھیرے دھیرے، درجہ بدرجہ، تدریجاً اس کے منتہا اور کمال تک پہنچانا۔ دنیا کے اندر جتنے بھی عالَم ہیں، عالم انسان ہو، یا عالم جنات ہو، یا عالم ملائکہ ہو، یا عالم جمادات ہو، یا عالم حیوانات ہو، یا عالم نباتات ہو، اور بھی دیگر کہکشائیں ان تمام عالموں کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب اسی نے سب کو پیدا کیا اور سب کو کمال سے نوازنے اور انتہاء کو پہنچانے والا بھی وہی ہے اور جب اسی کی قدرت سے یہ سب کچھ ہوا تو وہی اس بات کے لائق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے۔

پہلی آیت، عقیدۂ توحید:

مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اسلام کے تین بنیادی عقائد کو

بیان کیا ہے: (۱) عقیدۂ توحید (۲) عقیدۂ رسالت (۳) عقیدۂ آخرت۔ اس پہلی آیت میں عقیدۂ توحید کا تذکرہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جس نے تمام جہانوں کو پیدا کیا اور ان کو پالنے والا، ان کو کمال کی انتہاء تک پہنچانے والا وہی ہے تو وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، اس میں توحید کا سبق دیا گیا ہے۔

رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ:

الرحمٰن الرحیم (سب پر مہربان، بہت زیادہ مہربان)

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دو نام ہیں، دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، اور دونوں رحمت سے بنے ہوئے ہیں۔ اور اس سے قبل رحمٰن کا مطلب گذر چکا یعنی جس کی رحمت سب پر عام ہو۔ چناں چہ اس کا ترجمہ سب پر مہربان کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اللہ کی رحمت سب کو ایسی شامل ہے کہ دنیا کی چھوٹی یا بڑی کوئی بھی مخلوق اللہ کی رحمت سے نکلی ہوئی نہیں ہے۔ اسی لیے امام بیضاویؒ فرماتے ہیں: رحمٰن الدنیا و رحیم الاخرۃ گویا اللہ کی صفت رحمت جس کا تذکرہ اللہ کے نام کے ساتھ کیا گیا ہے اس کا ظہور دنیا میں ہوتا ہے اور دنیا کی ساری مخلوق پر اللہ کی اس رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔

اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ مہربان، جس کی رحمت بہت زیادہ کامل و مکمل ہو۔ اور اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ اس سے قبل گذر چکا کہ دنیا کی ساخت اور بناوٹ ہی ایسی ہے کہ اللہ کی اُس رحمت کا ظہور علیٰ وجہ الکمال یہاں نہیں ہوسکتا۔ اس دنیا میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ تو آخرت میں جو اہل ایمان ہیں

فلاح یاب بندے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ان پر کامل ومکمل ہوگی ۔اِن دوصفات کے تذکرے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت جو دنیا میں سب کو شامل ہے، اس سے ہم سب کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان:

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا حال یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے، ان قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کا دودھ پیتا بچہ اس سے بچھڑ گیا تھا، اوراس کی چھاتیوں میں دودھ جمع ہوکر جوش ماررہا تھا، تو وہ بے چینی کے ساتھ بھاگ رہی تھی، جو بچہ اس کو نظر آجاتا اس کو لے کر وہ اپنی چھاتی سے لگاتی اور دودھ پلانا شروع کردیتی تھی، چناں چہ اس منظر کو دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: بتلاؤ! کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ تو صحابہ نے جواب میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہرگز نہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَلّٰہ أرحم بعبادہ من ھذہ بولدھا (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہیں، جتنا یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔ [1]

حدیث شریف میں آتا ہے: اللہ نے اپنی رحمت کے سو(۱۰۰) حصوں میں سے ایک حصہ دنیا میں اتارا ہے، اوراسی وجہ سے ماں اپنی اولاد کے ساتھ، جانور اپنے بچوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کرتے ہیں، حتیٰ کہ گھوڑی اپنا قدم زمین پر رکھنے سے پہلے دیکھ لیتی ہے کہ کہیں میرے بچے کے اوپر تو قدم نہیں پڑرہا ہے؟ اور بہت احتیاط سے وہ نیچے قدم رکھتی ہے اسی محبت کی

---

(۱) أخرجه البخاری برقم: ۵۶۵۳ ومسلم برقم: ۲۷۵۴.

وجہ سے۔[۱] گویا اللہ تعالیٰ نے رحمت کے صرف ایک حصہ کو ظہور عطا فرمایا ہے، اور آخرت میں ننانوے حصے ظاہر ہوں گے۔ تو اس رحمت کا ظہور شیخ سعدیؒ کے بقول ایسا ہو گا جو انہوں نے کہا ہے ۔

وگر در دہد یک صلائے کرم
عزازیل گوید نصیبے برم

(بوستاں)

(اگر اللہ تعالیٰ کرم کی ایک آواز لگا دیں، تو شیطان بھی کہے گا کہ مجھے بھی اس میں سے حصہ مل جائے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے ناامید نہیں ہوتا)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور اس دنیا میں تو سب پر ہوتا ہے، مسلمان ہو، کافر ہو، انسان ہو، جانور ہو، جمادات ہو، بلکہ کافروں کو اللہ تعالیٰ ایسے لاڈ پیار کے ساتھ دنیا میں پالتے ہیں کہ کوئی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں دنیا میں ان کے بھی شامل حال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ساتھ تربیت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

امام رازیؒ نے اسی الرحمٰن الرحیم کے تحت لکھا ہے: حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک جگہ مہمان تھا، کھانے کے لیے دسترخوان لگایا گیا، اچانک ایک کوا آیا اور ایک روٹی اٹھا کر کے بھاگا، وہ اس کے پیچھے پیچھے گئے تو وہ پہاڑیوں کے درمیان گیا، وہاں پہنچ کر جب دیکھا تو ایک آدمی کے دونوں ہاتھ بیڑیوں میں بندھے ہوئے تھے، وہاں مقید پڑا تھا، اس کوّے نے جا کر اس کے منہ پر روٹی ڈال دی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے وہاں

---

(۱) أخرجه البخاری برقم: ۵۶۵۴ و مسلم برقم: ۲۷۵۲

بھی اس کی روٹی کا انتظام کیا۔ (۱)

إلی طاعة اللہ:

ایک اور واقعہ بیان کیا ہے: حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر میں تھا، میرے دل میں ایک ولولہ اور بے چینی سی پیدا ہوئی تو میں گھر سے نکل کر دریائے نیل کی طرف گیا، جب کنارے پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بڑا بچھو بہت تیزی سے چل رہا ہے، تو میں اس کے پیچھے پیچھے چلا کہ یقیناً اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی، تھوڑی دیر چلا، اتنے میں دریائے نیل میں سے ایک بہت بڑا مینڈک کنارے پر آکر کھڑا ہوگیا، اور وہ بچھو کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہوگیا، مینڈک اس بچھو کو لے کر دریا میں تیرنے لگا اور دوسری طرف جانے لگا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی جلدی سے ایک کشتی حاصل کی اور میں نے بھی اس کا پیچھا کیا، جب وہ مینڈک دوسرے کنارے پہنچا تو وہ بچھو چھلانگ لگا کر نیچے آگیا اور پھر وہ تیزی سے جانے لگا، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا، تھوڑی دور ایک درخت کے نیچے ایک نوجوان نشہ کیے ہوئے سو رہا تھا، اور دیکھا کہ وہاں ایک اژدہا اس کی ناف کی طرف سے اس کے جسم پر چڑھ کر اپنی پھن کھڑی کیے ہوئے تھا اور گویا کاٹنے کے درپے تھا کہ اچانک اس بچھو نے جا کر کود کر اس سانپ کو اِس زور سے ڈسا کہ سانپ تیوری کھا کر نیچے گرا، اور پھر وہ بچھو تیزی سے واپس جانے لگا، اور اسی طرح وہ مینڈک آیا اور اس نے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ (۲)

حضرت ذوالنون مصریؒ کا یہی واقعہ ایک اور جگہ پر بھی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت

(۱، ۲) مفاتيح الغيب للرازي ۱/۲۰۱ (ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت)

حضرت ذوالنون مصریؒ نے بعد میں اس نوجوان کو پاؤں ہلا کر کے بیدار کیا، جب ہوش میں آیا تو اس کو بتلایا کہ اے غافل! جانتا ہے کہ تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوا؟ پھر پورا قصہ بیان کیا تو یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا: إلٰهي! هذا فعلك بمن عصاك فكيف رفقك بمن يطيعك؟ (اے اللہ! تیرا یہ معاملہ تو اُس بندے کے ساتھ ہے، جو تیری نافرمانی میں مبتلا ہے، تو جو تیرے بندے تیری اطاعت اور فرماں برداری میں ہیں ان کے ساتھ تیرا کیا معاملہ ہوگا؟) یہ کہا اور اٹھ کر جانے لگا، تو حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا: کہاں جاتے ہو؟ تو اس نے کہا: إلى طاعة الله! اب میں اللہ کی طرف جاتا ہوں۔ گویا اپنی اس زندگی سے توبہ کرتا ہوں۔ [1] حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہر ایک کو شامل حال ہے۔

ماں کی ممتا، ایک سچا قصہ:

ایک اور روایت مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف فرما تھے، ایک آدمی چادر اوڑھے ہوئے ہاتھ میں کچھ لیے ہوئے تھا، جس کو اس چادر کے ایک کونے سے ڈھانپ رکھا تھا، وہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب سے گذر رہا تھا کہ مجھے وہاں سے پرندے کے بچوں کے بولنے کی آواز آئی، میں اندر گیا، تو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو ابھی اُڑنے کے لائق نہیں ہوئے تھے، ان کے پروں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اڑ سکیں، تو میں نے بچوں

---

(۱) كتاب التوابين لابن قدامة ۱ / ۱۳۶ (ط: دار ابن حزم، بيروت) ونصه: فنهض الشاب وقال: إلهي! هذا فعلك بمن عصاك فكيف رفقك بمن يطيعك؟ ثم ولّى وقلت إلى أين؟ قال: إلى البادية والله لا عدت إلى المدن أبداً.

کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان پر چادر کا ایک کونہ ڈال دیا، اور درختوں کے جھنڈ میں سے باہر آیا، تو ان بچوں کی ماں میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے جس کونے سے بچوں کو ڈھانپ رکھا تھا وہ ہٹا دیا تو ماں اپنے بچوں کے اوپر گری اور چمٹ گئی، جانے کا نام ہی نہیں لیتی، میں نے اس کو بھی ڈھانپ لیا، اور یہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: رکھو۔ اس نے ان بچوں کو نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے کھول کر رکھا، وہ ماں بھی ان کے ساتھ چپکی ہوئی ہے، بچوں کے بازوؤں میں طاقت نہیں تھی اس لیے نہیں اڑ سکتے تھے؛ لیکن ماں تو اڑ سکتی تھی، مگر بچوں کی محبت کی وجہ سے وہ بھی ان کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے پوچھا: أتعجبون لرحم أم الأفراخ بفراخها قالوا: نعم یا رسول اللہ ﷺ قال فو الذی بعثنی بالحق لَلّٰہ أرحم بعبادہ من أم الأفراخ بفراخها۔ کیا ان بچوں کی ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ جو مہربانی، شفقت اور محبت ہے اس سے تم کو تعجب ہوتا ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق لے کر کے بھیجا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ مہربانی، شفقت اور محبت ہے جتنی اِن بچوں کی ماں کو اِن بچوں کے ساتھ ہے۔[1] حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ جو محبت ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تو یہ رحمٰن کا ظہور تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔ اور قیامت میں صفت رحمت کا بھی ظہور ہوگا۔ اس لیے علما لکھتے ہیں کہ اللہ کی ان صفتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یعنی اگر ہم سے کچھ قصور ہو گیا ہے، گناہ ہو گئے ہیں تو اپنے گناہوں پر اڑے نہ رہیں، اترائیں نہیں؛ بلکہ اللہ کے حضور گڑگڑائیں، اور رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، اللہ معاف

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۲۳۷۷ نقلاً عن السنن لأبی داود. (ط: المکتب الإسلامی، بیروت)

کر دے گا، اللہ تو بڑا مہربان ہے۔قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا . (الزمر :۵۳) (اے میرے وہ بندو! جنہوں نے نافرمانی کرکے، گناہ کرکے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تو بڑے مہربان ہیں)

تو میرا بندہ، میں تیرا رب:

اللہ بندے کی توبہ سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انسؓ کی روایت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے کتنا خوش ہوتا ہے اس کو نبیٔ کریم ﷺ نے ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ایک آدمی اونٹ کے اوپر سارا کھانے پینے کا سامان لے کر سفر میں نکلا، صحرا کے اندر چل رہا ہے اور دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے ٹھہر گیا اور اونٹ سے اتر کر آرام کرنے کے لیے وہاں لیٹ گیا، اونٹ کو وہاں چھوڑا، جب نیند سے اٹھا تو دیکھا کہ اونٹ غائب!!! اب کھانے پینے کا سارا سامان تو اسی پر تھا، اس لق و دق صحراء میں اس کے لیے اور کوئی زندگی کا سہارا نہیں تھا، اس نے تلاش کیا، کچھ ملا نہیں، بالآخر مایوس ہو کر وہ اسی درخت کے نیچے- یہ سوچ کر کہ اب موت ہی آنی ہے تو یہیں آجائے- آکر لیٹ گیا، اسی میں آنکھ لگ گئی، تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ وہاں موجود ہے!!! اس کو دیکھ کر اس شخص پر اتنی خوشی طاری ہوئی کہ اس خوشی میں وہ کہنے لگا کہ: اے اللہ! تو میرا بندہ، میں تیرا رب۔ کہنا تو یوں چاہیے تھا کہ: اے اللہ! میں تیرا بندہ، تو میرا رب۔ وہ شکر کے طور پر کہتا ہے؛ لیکن خوشی میں اس کی زبان پھسل گئی، تو نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: دیکھو! اس

آدمی کو کتنی خوشی ہوئی؟ اللہ کا کوئی بندہ جب توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔[1]

اے میرے بندو!

باری تعالیٰ خود قرآن میں فرماتے ہیں: یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا. اس میں بھی شان رحمت تو دیکھو! کہ ان گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ یا عبادی (اے میرے بندو!) سے خطاب کرتے ہیں۔ دنیا میں باپ اگر اپنے بیٹے سے ناراض ہو اور کسی وجہ سے اس کو تنبیہ کرنا چاہے، تو اس کی ماں سے کہتا ہے: تیرے بیٹے کو کہہ دینا کہ میرے گھر میں قدم نہ رکھے!!! یعنی اپنا بیٹا نہیں کہتا، گویا اس کی اس بری حالت کی وجہ سے اپنی طرف نسبت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ گنہگاروں کی اس حالت میں بھی اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے یا عبادی اے میرے بندو! سے خطاب کرتے ہیں۔ کیا شان رحمت ہے!!! اس لیے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اور آدمی گناہوں پر اصرار نہ کرے، اگر کوئی گناہ ہو گیا ہے تو توبہ کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائیں گے۔ اور اتنا ہی نہیں کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے؛ بلکہ اپنے بھائیوں کی طرف سے، دوسرے انسانوں کی طرف سے توبہ کرے، کسی کی طرف سے زیادتی کا معاملہ ہوا ہو، ظلم کا معاملہ ہوا ہو تو ان کو بھی معاف کر دے، ان کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ کرے۔

---

(۱) أخرجه البخاري برقم: ۵۹۴۹.

ارحموا من فی الأرض:

محدثین کے یہاں مسلسل بالاولیۃ ایک حدیث ہے کہ سب سے پہلے استاذ اپنے شاگردوں کو سناتے ہیں اور شاگرد سب سے پہلے اپنے استاذ سے وہ روایت سنتے ہیں اس کو مسلسل بالاولیۃ کہا جاتا ہے ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک و تعالیٰ ہے ۔ (اللہ کے جو بندے دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں ان پر رحمٰن رحم کرتا ہے) ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء[۱] (تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا) اسی لیے حضور ﷺ فرماتے ہیں: لا یرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس (أخرجه البخاری برقم ۷۳۷۶ واللفظ له و مسلم ۲۳۱۹) (جو لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا، اللہ اس پر مہربانی نہیں کرتے) ہم لوگوں کے قصور کو معاف نہ کریں، ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہ کریں اور پھر اللہ سے رحمت کی امید رکھیں !!!! ایں خیال است و محال است وجنوں ! یہ ون سائڈ ٹریفک نہیں چلا کرتا ۔ اگر ہم اللہ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں، تو ہمیں بھی دوسروں کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بندگی:

دیکھو! حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب تہمت لگائی گئی تھی اور منافقین نے اس کو بہت ہوا دی، اس کا بڑا پروپیگنڈا کیا، تو اس کی وجہ سے بعض مخلص مؤمنین بھی دھوکے میں آ گئے، اور انہوں نے اس بات کو سچا سمجھ کر تہمت کے اس معاملہ میں حصہ لیا، جن میں حضرت

(۱) أخرجه الترمذی برقم: ۱۹۲۴ (ط: مطبعة مصطفى البابی الحلبی، مصر) وأبوداود برقم: ۴۹۴۱ (ط: المکتبة العصریة، بیروت) وأحمد برقم: ۶۴۹۴ (ط: مؤسسة الرسالة، بیروت)

مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے، مہاجرین میں سے تھے، اور غریب ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کا خرچ برداشت کرتے تھے ۔ جب قرآن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا: اب میں ان پر خرچ نہیں کروں گا ۔ براءت نازل ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس معاملے میں بَری ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انصاف کی بات دیکھیے ! کہ جب تک براءت نازل نہیں ہوئی، تب تک اُن کا وظیفہ بند نہیں کیا، ہمارے دور اور مزاج کا دوسرا کوئی ہوتا، تو پہلے دن سے ہی معاملہ نمٹ جاتا کہ میں خرچ دیتا ہوں اور ہماری بیٹی کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے !!! لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصاف کا تقاضہ یوں پورا کیا کہ جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور بے گناہ ہونا ظاہر نہیں ہوا وہاں تک خرچ بند نہیں کیا، جب بے گناہ ہونا ظاہر ہوا اور قرآن میں آیت نازل ہوئی تو بات صاف ہوگئی کہ حضرت مسطح غلط تھے، قصوروار تھے ۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ میں ان پر خرچ نہیں کروں گا ۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تو باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں آیت نازل فرمائی: ولا یاتل اولوا الفضل منکم و السعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ و المسکین و المھجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم. (تم میں جو لوگ فضیلت اور مالی کشادگی والے ہیں وہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ وہ ان کو نہیں دیں گے جو رشتہ دار ہیں اور غریب ہیں اور مہاجرین ہیں ۔ ان کو معافی اور درگذر سے کام لینا چاہیے، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں ؟) گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ تم ان کا قصور معاف کر دو، اللہ تمہارے قصور معاف کر

دیں گے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی، سنتے ہی فوراً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بلیٰ واللّٰہ إنی لأحب أن یغفر اللّٰہ لی.[1] (کیوں نہیں! اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کر دے)

آج دنیا میں ہمارا معاملہ الٹا ہو گیا ہے، ہم اپنے متعلق تو یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے قصور معاف کر دیں؛ لیکن ہم لوگوں کے قصور معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اپنے متعلق تو ہماری خواہش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ محبت کا، مہربانی کا، شفقت کا معاملہ کریں، اور ہم دوسروں کے ساتھ مہربانی، محبت وشفقت کا معاملہ کرنے کو تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: من لا یَرحم لا یُرحم[2] جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم نہیں کیا جاتا۔

بہرحال! یہ دونوں اللہ کے صفاتی نام ہیں۔ اللہ کی صفات سے بندوں کو بھی متصف ہونا چاہیے۔ یعنی ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جب سب پر مہربان ہیں، تو ہمیں بھی اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری رحمت اور مہربانی سے بھی کوئی بچنے نہ پائے، دشمن، دوست، اپنا، پرایا سب کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ارحموا من فی الأرض، زمین والوں پر رحم کرو، یرحمکم من فی السماء، آسمان والا تم پر رحم کرے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ان دو مبارک ناموں سے ہمیں بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اور ان صفات کو

---

(۱) أخرجه البخاری برقم: ۲۵۱۸.

(۲) أخرجه البخاری برقم: ۵۶۶۷ و مسلم برقم: ۲۳۱۸.

اختیار کر کے ہمیں بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کریں گے، تو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ معاف کر دیتے ہیں، ہمارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔

باز آ باز آ ، ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما، درگہِ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(ابوسعید ابوالخیر)

آ جاؤ! واپس آ جاؤ! جو کچھ کیا ہے واپس آ جاؤ، تم کافر ہو، مجوسی ہو، بت کی پوجا کرنے والے ہو پھر بھی آ جاؤ، ہماری یہ بارگاہ اور ہمارا یہ دربار ناامیدی کا نہیں ہے، سو بار توبہ توڑ چکے ہو تو بھی آ جاؤ۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اتنا مہربان خدا! اس کو چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے؟ دنیا میں کوئی ایسا ہے جو ہمیں پناہ دے؟

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

(اقبالؔ)

حقیقت میں دنیا میں اللہ کی رحمت کے علاوہ کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے، اسی لیے اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ گناہ ہو گیا ہے تو توبہ کرو، اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں اس سورت کو پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہمیشہ نماز میں جب بھی اس سورت کو پڑھیں تو اس کو پڑھتے وقت یہ تصور کرنا چاہیے، یہ سبق تازہ کر لینا چاہیے۔

الرحمٰن الرحیم ۝ اللہ تعالیٰ جب اتنے مہربان ہیں، تو اس کی اسی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو راہ حق دکھائے بغیر گمراہی کے اندر ویسے ہی نہیں چھوڑ دیں گے؛ بلکہ ان بندوں کو راہ حق دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس سے رسالت کا ثبوت ہوتا ہے۔ تو اسلام کے بنیادی تین عقائد ہیں (۱) عقیدۂ توحید، الحمد للہ رب العٰلمین ۝ سے (۲) عقیدۂ رسالت، الرحمٰن الرحیم ۝ سے اور (۳) عقیدۂ آخرت مٰلک یوم الدین ۝ سے ثابت ہوتا ہے۔

مٰلک یوم الدین: جو روزِ جزاء کا مالک ہے۔

لفظ دین، بدلہ اور حساب دونوں معنی میں آتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت [1] ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس سے حساب لے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے۔ دین یہاں حساب کے معنی میں آیا ہے۔ آیت میں دونوں معنی کرتے ہیں: روز حساب کا مالک ہے، یا روز جزاء کا مالک ہے۔ اس لیے کہ کسی کو کوئی بدلہ دینا چاہیں گے، تو پہلے حساب کرنا پڑے گا، بدلہ کے لیے حساب لازم ہے، اور جب حساب کریں گے تو بدلہ دیا جائے گا۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں۔

ہماری ملکیت مجازی ہے:

دیکھو! اللہ تعالیٰ تو اس دنیا میں بھی ہر چیز کا مالک ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کے

---

(۱) أخرجه الترمذی برقم: ۲۴۵۹ (ط: مطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر) و ابن ماجة برقم: ۴۲۶۰ (ط: دار احیاء الکتب العربیة - فیصل عیسی البابی الحلبی، مصر)

اندر اپنی ایک خاص حکمت اور مصلحت کی وجہ سے انسانوں کو بھی عارضی اور مجازی طور پر مالک بنایا، حقیقی مالک تو اللہ ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں انسانی ملکیتوں کو بھی تسلیم کیا، اسی لیے تو زکوۃ فرض ہوتی ہے۔ اگر مالک نہ مانا جائے تو زکوۃ کہاں سے فرض ہوگی؟ اور ہر آدمی جو کپڑے پہنے ہوئے ہے، اس سے پوچھیں کہ یہ کپڑے کس کے ہیں؟ تو کہے گا: میرے ہیں۔ یہ مکان کس کا ہے؟ میرا ہے۔ ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

دنیا میں اللہ نے ملکیت کو تسلیم کیا اور ہر ایک کو مالک بنایا۔ دنیا میں حاکم بھی بنایا، حکمران بھی بنائے، لیکن ان حکمرانوں کی حکومت بھی دنیا میں عارضی اور مجازی ہے۔ حقیقی مالک اور حقیقی حکمران تو اللہ ہیں۔ دنیا کی اس زندگی میں اللہ نے اپنی مصلحتوں کے پیش نظر انسان کی مالکیت، ملوکیت اور بادشاہت کو منظوری دی، عارضی ہی سہی۔ لیکن ایک دن ایسا آنے والا ہے: روز جزاء، اُس دن دنیا کی یہ عارضی اور مجازی حکومتیں بھی ختم ہو جائیں گی، کوئی کسی چیز کا مالک نہیں؛ بلکہ حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ ایسے ہی پیدا کر کے لائیں گے کہ کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فعلین (الانبیاء: ۱۰۴) یعنی جیسے ہم نے ماں کے پیٹ سے؛ پہلے پیدا کیا تھا ویسے ہی ہم دوبارہ ان کو زندہ کریں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انسانوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے تو بدن پر کوئی لباس نہیں ہوگا، پاؤں میں جوتے نہیں ہوں گے، اور جیسے بچہ غیر مختون پیدا ہوتا ہے ویسے غیر مختون اٹھائیں گے۔ کسی کے پاس کچھ نہیں۔ (۱) بچہ جب ماں کے پیٹ سے آتا ہے کیا لے کر آتا ہے؟ کچھ پوٹلہ لاتا ہے؟ کچھ نہیں! تو قیامت

(۱) أخرجه البخاري برقم: ۶۱۶۱ ومسلم برقم: ۲۸۵۹.

کے روز بھی اللہ تبارک وتعالیٰ جب قبروں سے دوبارہ پیدا کر کے اٹھائیں گے، اسی کیفیت کے ساتھ، کسی کے پاس کچھ نہیں ہوگا! یہ ظاہری، مجازی، عارضی ملکیتیں جو اللہ نے دنیا میں عطا فرمائی تھیں، کسی کے پاس کوئی چیز نہیں ہوگی، سب ایسے ہی ننگ دھڑنگ ہوں گے۔ اور کسی بادشاہ کی کوئی حکومت اور بادشاہت نہیں ہوگی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ خود ہی پکاریں گے: لمن الملك اليوم آج کس کی حکومت ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائیں گے: لله الواحد القهار. (المؤمن: ۱۶) اس اکیلے اللہ کی جو ہر چیز پر غالب ہے۔ اللہ کی حقیقی حکومت کا ظہور اس روز جزاء اور قیامت کے دن ہوگا۔

جزاء وسزا دونوں ہی اعلیٰ:

اس کو روز جزاء اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن دنیا میں جو اعمال کیے گئے ہیں ان کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں گویا عقیدۂ آخرت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ ہے۔ اس لیے کہ دیکھو! اگر اس دنیا ہی کی زندگی کو مانا جائے، تو دنیا میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کفر کرتے ہیں، ان کی پوری زندگی نافرمانی میں گذرتی ہے، اور اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں! کھا پی رہے ہیں، مزے کر رہے ہیں، عیش کر رہے ہیں، اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندے وہ بھی ہیں، جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں ہیں، لیکن تکلیف میں ہیں، ذرہ برابر ان کو چین نہیں۔ تو آدمی سوچتا ہے کہ اس کی پوری زندگی نافرمانی میں گذری، اس کی ان نافرمانیوں کا کیا ہوگا؟ بدلہ ملے گا یا نہیں؟ اور یہ فرماں بردار کہ اس کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں گذری، اس کا کیا؟ اس کو کیا نیک بدلہ

ملے گا؟ تو ہمیں بتلایا گیا کہ یہ دنیا کی زندگی ایسی نہیں کہ کھایا پیا اور ختم ہو گیا، نہیں! اس کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے، یہ دنیوی زندگی تو عمل کے لیے ہے، یہاں بدلہ نہیں ہے۔ بدلہ تو آخرت میں دیا جائے گا، وہی بدلہ کا دن ہے۔ اس وقت بدلہ ہو گا، اور اس وقت جنہوں نے نیکیاں کی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ انعامات سے نوازیں گے۔ اور جو گنہگار، نافرمان ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے۔

جن کو اطاعت کی وجہ سے نعمتوں سے نوازیں گے وہ نعمتیں بھی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہوں گی، دنیا میں اس کا کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا ۔ اور نافرمانوں کو جو سزائیں دی جائیں گی وہ بھی اعلیٰ درجہ کی ہوں گی، اس میں کوئی کمی نہ ہو گی۔ تو مٰلک یوم الدین ۝ یعنی روز جزاء کا مالک ہے۔ اس میں عقیدۂ آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

گو یا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں تین چیزیں ہیں (۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت سورۂ فاتحہ کی پہلی تین آیتوں میں ان کی طرف اشارہ ہو گیا۔

سورۂ فاتحہ

(مؤرخہ: ۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۱/فروری ۲۰۱۸ء شب یک شنبہ)

(قسط-۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا وَ نعوذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّأٰتِ أعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ أنْ لَّآ إلٰہَ إلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھدُ أنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ أرْسَلَہٗ إلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا إلَی اللّٰہِ بِإذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ أصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أمَّا بَعْدُ.

الحمد لله رب العٰلمين ۝ الرحمٰن الرحيم ۝ مٰلك يوم الدين ۝ اياك نعبد و اياك نستعين ۝

ماقبل سے ربط:

سورۂ فاتحہ چل رہی ہے، اب تک اس کی پہلی تین آیتیں ہو گئیں:

الحمد لله رب العٰلمين ۝ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

الرحمٰن الرحيم ۝ جو سب پر مہربان اور بہت زیادہ مہربان ہے۔

ملك يوم الدين ۝ جو روزِ جزاء یا روزِ حساب کا مالک ہے۔

ان تین آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کے تین بنیادی عقائد کی طرف

اشارہ فرمایا ہے۔ یہ تینوں اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔

توحید:

پہلا عقیدہ توحید کا ہے، یعنی ہم اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو عبادت کے لائق مانتے ہیں، کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے، اسی کی عبادت کی جاتی ہے، کیوں کہ جب سارے جہانوں کا وہی پروردگار ہے، اُسی نے سب کو پیدا کیا، اسی نے سب کو کمال تک پہنچایا، وہی سب کی پرورش کرتا ہے تو وہی اس بات کے لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، چوں کہ اس میں کوئی اور اس کا شریک نہیں ہے، وہی تن تنہا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، رازق بھی ہے، تربیت کرنے والا بھی ہے، ہر چیز کو اس کے کمال تک پہنچانے والا ہے، تو جب سب کچھ وہی ہے، تو وہ اس لائق ہے کہ اس اکیلے ہی کی عبادت کی جائے، اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے، یہ توحید کی طرف اشارہ ہوا۔ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو نہ معبود مانا جائے اور نہ کسی اور کی عبادت کی جائے۔

رسالت:

الرحمٰن الرحیم ۝ جو سب پر مہربان اور بہت مہربان ہے۔

اسی مہربانی اور صفت رحمت کا تقاضہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب انسان کو دنیا میں بھیجا ہے تو اس کو یوں ہی اندھیروں میں نہ چھوڑ دے؛ بلکہ کیوں بھیجا گیا ہے اس کو باقاعدہ بتلایا جائے، چناں چہ اسی کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف پیغمبر بھیجے، سب سے آخری پیغمبر اور رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اِن پیغمبروں

نے انسانوں کو یہ بتلایا کہ تمہیں دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ تمہاری پیدائش کس لیے کی گئی ہے؟ وماخلقت الجن و الانس الا لیعبدون. (الذریت:٥٦) اللہ نے اپنی عبادت اوراطاعت کے لیے تم کو پیدا کیا ہے۔اور یہ بات بتلانے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اگر نہ بھیجے جاتے تو انسانوں کو کیسے پتہ چلتا کہ ہمیں دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ اوران پیغمبروں اور رسولوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتابیں بھی اتاریں اوران میں زندگی گزارنے سے متعلق تمام احکام بتلائے گئے کہ تمہیں اس طرح زندگی گزارنی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس زندگی سے راضی ہو وہ کون سی ہے؟ وہ بتلائی گئی؛ تاکہ لوگ اس کے مطابق اپنی زندگی کو استوار اور ہموار کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کون سے طریقۂ زندگی سے ناراض ہیں وہ بھی بتلادیا تاکہ لوگ اپنے آپ کواس سے بچائیں۔ چناں چہ اس آیت میں رسالت کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا۔

آخرت:

مٰلك یوم الدین ۝ وہی روز جزاءاورروزحساب کا مالک ہے۔

ایک دن آنے والا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اُس دن حساب لیں گے، یعنی یہ نہ سمجھا جائے کہ اس دنیا میں بس پیدا ہوئے، کھایا پیا اور ختم ہو گئے!!! نہیں! بلکہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جو دائمی زندگی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اور اس دائمی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا مدار اِس دنیوی زندگی پر ہے۔ اگر ہم نے اس دنیوی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے مطابق گزارا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعہ زندگی گزارنے کا جو طریقہ اپنی کتابوں میں اتارا ہے، اس کے مطابق

اگر یہ زندگی گزاری، تب تو وہاں کامیابی ہے اور ہمیشہ کی نعمتیں ہیں۔

اور اگر خدانخواستہ اس زندگی کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں گزارا، اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا تھا ان کا ارتکاب کرتے رہے، اللہ کی نافرمانی میں رہے، کھایا پیا اور اسی میں لگے رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو توڑا، تو دائمی زندگی میں ناکامی مرتب ہوگی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے واسطہ پڑے گا، اللہ کا عذاب ہمیشہ ہمیش کے لیے بھگتنا پڑے گا۔ یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے روز جزاء اور روز حساب کے مالک ہونے کا۔ گویا اس آیت میں آخرت کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا۔

پہلی آیت میں توحید، دوسری آیت میں رسالت اور تیسری آیت میں آخرت کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا۔ یہ تین عقائد اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔

آخرت: یہی زندگی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے اور وہ اصلی زندگی ہے۔ اور وہاں اللہ تعالیٰ، انسانوں نے دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کا حساب لیں گے۔

أقرب إليه من حبل الوريد:

ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کے متعلق یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو پتہ نہیں ہے، وہ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا بھی انتظام کیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ اللہ کی طرف سے دو فرشتے بٹھائے گئے ہیں، جو ان کے سارے اعمال کو لکھتے ہیں، اس کا ریکارڈ رکھتے ہیں، اذ یتلقی المتلقین عن الیمین و عن الشمال قعید. ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید. (قٓ:۱۸،۱۷) یہ لینے والے، لکھنے والے کیچ (Catch) کرنے والے دو فرشتے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے

ہیں اور آدمی جو کچھ بولتا ہے وہ اس کو نوٹ کرتے ہیں۔ ہم یوں نہ سمجھیں کہ ہم جو بول رہے ہیں وہ ہوا میں تحلیل ہو گیا، ختم ہو گیا۔ نہیں! ایک ایک بول محفوظ کیا جاتا ہے۔ آدمی کے سارے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہے۔

جب قیامت کے روز ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور انسان اس کو دیکھے گا تو وہ کہے گا: مالِ ھذا الکتٰب لا یغادر صغیرۃ و لا کبیرۃ الا احصٰھا (الکھف:۴۹) اس صحیفے کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو، ہماری زندگی کا سارا کچا چٹھا اس کے اندر ہوگا، کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہ ہوگی، لا یغادر صغیرۃ و لا کبیرۃ الا احصھا و وجدوا ما عملوا حاضراً و لا یظلم ربك احداً. انسان دنیا میں اپنا کیا ہوا سب کچھ موجود پائیں گے، اور وہ انکار نہیں کر سکیں گے، اور اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ تو بندوں کو ان کے اعمال دکھلا دیں گے، ان کے اعمال پر گواہ پیش کریں گے۔

اعضاء کی گواہی:

بندوں سے پہلے جب پوچھا جائے گا تو بندے پہلے جھوٹ بھی بولیں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ زبان بند کر دیں گے اور دوسرے اعضاء گواہی دیں گے۔ جن اعضاء سے اس نے گناہ کیے تھے ہر ہر عضو گواہی دے گا۔ آنکھ نے جو گناہ کیا تھا آنکھ بولے گی، کان نے کیا تھا کان بولے گا، ہاتھ نے کیا تھا ہاتھ بولے گا۔ ہر ہر عضو بولے گا؛ تو وہ کہے گا کہ بھئی! تمہارے لیے تو میں نے کیا تھا، اور تم ہی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟!!! وہ اعضاء کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے ہم کو بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے اور ہم سب بتلائیں گے۔ اور جس زمین

پر گناہ کیے ہیں، اس زمین پر اگر نیکی کی ہے تو اس پر اور اگر گناہ بھی ہیں، تو اس کے خلاف گواہی دے گی۔ لہٰذا کوئی چیز چھوٹنے والی نہیں ہے۔ آدمی کو ہر وقت اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ سب ریکارڈ ہو رہا ہے اور ان سب کے متعلق قیامت کے دن مجھے اللہ کو حساب دینا ہے، وہی روز حساب کا مالک ہے۔

إن تعدوا نعمة الله ۔ ۔ ۔ :

قیامت کے روز بندے کو جب اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کے لیے پیش کیا جائے گا تو اس وقت اس کے ساتھ تین رجسٹر بھی پیش کیے جائیں گے۔

(۱) تمام نیکیوں اور اچھے اعمال کا تذکرہ ہوگا۔

(۲) گناہوں کا تذکرہ ہوگا۔

(۳) ان تمام نعمتوں کا تذکرہ ہوگا جن کو پوری زندگی استعمال کیا۔ (یہ متعدد آیات واحادیث سے ثابت ہے)

ہم پانی پیتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چیز کو استعمال کرتے ہیں وہ سب ریکارڈ ہے، قرآن کریم میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: لتسئلن یومئذ عن النعیم (التکاثر: ۸) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور جب پیشی ہوگی تو نعمتوں کے رجسٹر میں جو سب سے چھوٹی نعمت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کو کہیں گے کہ اس کی عبادتوں کے اندر سے تو اپنی قیمت وصول کر لے، چناں چہ وہ آگے بڑھے گی اور ساری عبادتوں کو سمیٹ ایک جانب کھڑی ہو جائے گی۔ باری تعالیٰ پوچھیں گے: کیا بات ہے؟ تو وہ عرض کرے گی: میں نے اس کی ساری عبادتیں

لے لیں؛ لیکن میری قیمت ادا نہیں ہوئی۔ وہ بندہ لرز جائے گا کہ اب کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ مہربانی کرنا چاہیں گے، اس کو فرمائیں گے: جا! میں نے تیرے گناہوں کو معاف کر دیا اور اپنی نعمتوں کا حساب بھی تجھ سے نہیں لیتا اور تیری نیکیوں کو میں اضعافاً مضاعفۃً، کئی گنا کر دیتا ہوں۔ وہ بندہ خوش ہو جائے گا۔ (۱)

اور جس کی گرفت کرنا مقصود ہوگی وہ تو وہیں سے لرز جائے گا کہ اللہ کی ایک نعمت میں میری ساری عبادتیں چلی گئیں، اب تو گناہ ہی رہ گئے اور یہ مجھے جہنم میں ہی لے جائیں گے۔

واقعہ یہی ہے! ہم زندگی بھر عبادتیں کریں تو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ ایک گلاس پانی کی قیمت ہم سے ادا نہیں ہو سکتی۔

پانچ سوالات، ایک نمونہ:

مختلف احادیث میں مختلف انداز سے نبیٔ کریم ﷺ نے قیامت کے دن جن جن نعمتوں کی باز پرس ہوگی ان کی تفصیلات بتلائی ہیں۔ آپ نے فضائل صدقات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت سنی ہوگی: لا تزول قدم ابن اٰدم یوم القیامۃ من عند ربہٖ حتیٰ یسئل عن خمس (۲) قیامت کے روز انسان کے پاؤں اللہ کے حضور سے اُس وقت تک ہٹ نہیں پائیں گے، جب تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ ہو جائے:

(۱) عن عمرہ فیم أفناہ (جو زندگی دی تھی اس کو کہاں خرچ کیا؟)

---

(۱) بعض معاصر شارحین نے حدیث "من نوقش الحساب عذب" کی شرح میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت و صفت عدل کو بیان کرتے ہوئے اسے ذکر کیا ہے)

(۲) أخرجه الترمذی برقم: ۲۴۱۶ وغیرہ۔

اس میں سب کچھ آ گیا، جسم اور اس میں جو قویٰ اللہ تعالیٰ نے دیے، آنکھیں دیں، کان دیے، زبان دی، ہاتھ دیے، پاؤں دیے، دل دیا، دماغ دیا، یہ ساری صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں، تو اس زندگی کے متعلق سوال ہوگا کہ آپ نے کہاں ختم کی؟

(۲) وعن شبابہٖ فیم أبلاہ (جوانی کو کہاں استعمال کیا؟)

جوانی زندگی کا سب سے بہترین حصہ ہے، جوانی میں آدمی کی صلاحیتیں بالکل شباب پر ہوتی ہیں، سو جوانی سے متعلق مستقل سوال ہوگا۔

(۳، ۴) ومالہ من أین اکتسبہ وفیم أنفقہ (اور مال سے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟)

(۵) وماذا عمل فیما علم (جو چیز تمہارے علم میں آئی اس پر کتنا عمل کیا؟)

یہ تو ایک نمونہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف ان ہی پانچ چیزوں کے متعلق سوال ہوگا، بلکہ ساری چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس لیے آدمی کو دنیا میں ہمیشہ یہ دھیان رہنا چاہیے کہ میرے چلنے سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال ہوگا۔ میرے بول، کسی کے ساتھ معاملہ کرنے سے متعلق بھی مجھ سے سوال کیا ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے اس کے مطابق ہمیں زندگی گزارنی ہے، اور جس قسم کے طریقۂ زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند بتلایا ہے اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی کرنی ہے، حرام سے بچنا ہے، حلال کا اہتمام کرنا ہے۔ اسی طرح تمام امور کا اہتمام کرنا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حساب میں یہی پوچھیں گے۔ اور وہاں سب کچھ موجود ہوگا تو بندہ انکار بھی نہیں کر سکے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی ذمہ داری ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی

ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کو جس طرح اللہ چاہتے ہیں اسی طرح گزارنا ہے، کیسے گزاریں گے؟ سو آگے اس کا طریقہ بتلایا:

ایاك نعبد و ایاك نستعین (اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں)

عبادت یعنی بندگی، غلامی۔ ہم تیری ہی غلامی کرتے ہیں، دنیا میں کسی اور کو اپنا مطاع نہیں سمجھتے۔ واجب الاطاعۃ اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھیں۔ دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ہو، والدین ہوں، بیوی کے حق میں شوہر ہو، یا حاکمِ وقت ہو ان سب کی اطاعت کا حکم قرآن یا حدیث میں کہیں آیا بھی ہے تو وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ان کی طرف سے دیے جانے والے احکام اور آرڈر (Order) اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔

لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق:

اولاد کو اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے کا حکم دیا؛ لیکن اگر والدین کوئی ایسی بات کرنے کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہے، تو اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کا حکم ماننے کے لیے فرمایا ہے، لہٰذا اگر والدین ناجائز کام کرنے کے لیے کہیں تو وہ بھی کریں۔ نہیں! نہیں! والدین ناجائز کام کرنے کے لیے کہیں گے تو ہم اس پر عمل نہیں کریں گے۔

مکہ میں ایمان لانے والے صحابہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، وہ جب ایمان لائے، تو ان کی والدہ نے ان سے کہہ دیا کہ تم اس دین سے باز آجاؤ، اور اس دین کا انکار کرو، اور میری بات مانو، ورنہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی

والدہ نے بھوک ہڑتال کردی کہ جب تک تم اس دین کو نہیں چھوڑو گے وہاں تک کھانا نہیں کھاؤں گی۔اب وہ عجیب کشمکش میں آگئے کہ ماں کا یہ حکم ہے، وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو کہہ رہی ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ سے آکر عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت نازل فرمائی: **وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما و صاحبهما في الدنيا معروفا.** (لقمٰن:۱۵) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے؛ لیکن باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ تم کو میرے ساتھ شرک کرنے کے لیے کہیں تو ان کی بات مت مانو۔[(۱)]

شریعت نے ایک اصول بتلا دیا: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق[(۲)] جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو وہاں کسی بھی مخلوق کی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ چاہے وہ حاکم وقت ہو، چاہے بادشاہ وقت ہو، چاہے باپ ہو، چاہے شوہر ہو، چاہے کوئی بھی ہو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔اس کی بات صرف اس شرط کے ساتھ مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔

رب چاہی یا من چاہی:

إنما الطاعة في المعروف[(۳)] جن لوگوں کی اطاعت اور فرماں برداری کا

---

(۱) أخرجه مسلم برقم: ۱۸۴۰.

(۲) أخرجه الطبراني بهذا اللفظ في الأوسط برقم: ۳۹۱۷ (ط: دارالحرمين، القاهرة) و أخرجه أحمد في مسنده برقم: ۲۰۶۵۳ و ۲۰۶۵۶ ولفظه: "لا طاعة في معصية الله.

(۳) أخرجه البخاري برقم: ۴۰۵۰.

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے،، وہ ایک شرط کے ساتھ کی جائے گی کہ نیکی کے کام میں ان کی بات مانی جائے گی ، اگر وہ گناہ کے کام کے لیے کہیں تو اس پر عمل نہیں ہوگا ۔ چناں چہ ایاك نعبد کہہ کر بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اقرار کرتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری ہی مانوں گا۔جس وقت ہم نماز میں یہ اقرار کررہے ہیں،سوچیے! ہم اللہ ہی کی مان رہے ہیں یا اوروں کی بھی مان رہے ہیں؟ اللہ کے حکم پر چل رہے ہیں؟ رب چاہی زندگی گزار رہے ہیں یا من چاہی زندگی گزار رہے ہیں؟ اپنے نفس کی بات مان رہے ہیں؟ اپنی بیوی کی بات مان رہے ہیں؟ یا اپنے دوستوں کی بات مان رہے ہیں؟ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کے فرینڈ سرکل جو کہہ رہا ہے اس کے مطابق کررہے ہیں؟ سوچ لو!!! ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹا اقرار کرتے ہیں؟ کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

اس اقرار کا علاج بتلایا گیا کہ آپ اپنے اوپر اللہ کی اطاعت لازم کرلو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو واجب الاطاعۃ مت سمجھو، اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کو ہر حال میں ماننا ہے، چاہے وہ حکم ہماری چاہت کے موافق ہو یا مخالف؛ ہمیں اس پر عمل کرنا ہے۔

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب کلمہ أشهد أن لا إله إلا الله پڑھا،تو کلمہ پڑھ کر اُنہوں نے اس بات کا اقرار کرلیا اور بتادیا کہ ہم اللہ ہی کے حکم کو مانیں گے۔

شراب کی لت کو لات:

شراب ایک ایسی لَت ہے کہ اگر لگ جائے تو آسانی سے چھوٹتی نہیں ہے۔آج کل کسی کو بیڑی اور سگریٹ کی لت ہے، کسی کو پان کی، کسی کو گٹکھا کی۔ساری دنیا اور بہت سے لوگ سمجھاتے ہیں؛ لیکن وہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔اور اگر شراب کی لت پڑ جائے!

اس سے تو اللہ ہی بچائے !!

ذوق نے کہا ہے: ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

تو یہ شراب کی لت ایسی خطرناک ہے کہ آسانی سے چھوٹتی نہیں ہے۔

یورپ کے متعلق لکھا ہے: سنہ ۱۹۲۲ء میں جب یورپ کے حکمرانوں اور دانش مندوں نے دیکھا کہ شراب میں بڑا نقصان ہے، اس کی وجہ سے حادثات ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے بہت سارا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ شراب پر قانونی طور پر پابندی لگائی جائے۔ چناں چہ سب نے یہ قانون پاس کر کے شراب پر پابندی لگا دی۔ پھر کیا ہوا؟ جب پابندی لگتی ہے، قانون بنتا ہے تو اس پر عمل کرانے کے لیے پولیس میدان میں آتی ہے، ایجنسیاں قانون پر عمل کرنے کے لیے اس کی نگرانی کرتی ہیں۔ اب شراب کے کارخانے حکومت نے بند کرا دیے، لیکن شراب کی عادت نہیں چھوٹتی تھی، اُنہوں نے گھر میں بھٹیاں بنا لیں، اور گھر میں شراب بنا کر پینا شروع کیا، کارخانے تھے تب تو فضا کچھ ٹھیک رہتی تھی، گندگی نہیں ہوتی تھی؛ اب جب گھر گھر میں بھٹیاں بن گئیں تو گندگی بھی عام ہو گئی۔ اور لوگ مجمع میں سب کے سامنے تو نہیں پیتے تھے؛ لیکن تنہائیوں میں انہوں نے پینا شروع کر دیا، تنہائیوں میں کون روکنے والا ہے؟

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گل گوں سے خلوت میں

بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

یعنی دوستوں کی مجلس میں نعوذ باللہ! کہہ کر اپنی بزرگی کا اظہار کرنا تو بہت آسان

ہے؛ لیکن تنہائی میں اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔تو یہ شراب ان لوگوں سے نہیں چھوٹی، بالآخر حکومتوں نے وہ قانون اٹھالیا۔

شراب کی لت عربوں میں کئی پیڑھیوں سے چلی آرہی تھی، ان عربوں کو شراب سے ایسی عجیب وغریب محبت ہوا کرتی تھی کہ عربی زبان میں شراب کے دوسو سے زائد نام ہیں۔ انگور کی شراب، کھجور کی شراب، مکئی کی شراب، ہر قسم کی شراب کا نام الگ۔ پھر شراب کو پانی کے ساتھ ملائیں تو اس کا نام الگ، صبح کو پئیں تو نام الگ، شام کو پئیں تو نام الگ، ایسے الگ الگ نام ہیں۔ ان کو شراب سے بہت عشق تھا۔ انہی کے متعلق جب شراب کی حرمت کی آیت قرآن میں نازل ہوئی: یسئلونك عن الخمر و المیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما. (البقرۃ:۲۱۹) (اے نبی! یہ لوگ آپ سے شراب کے متعلق پوچھتے ہیں، تو آپ کہہ دیجیے کہ ان میں خرابیاں بھی ہیں اور فائدہ بھی ہے؛ لیکن خرابیاں فائدے سے زیادہ ہیں) ابھی حرمت کا حکم نہیں دیا؛ لیکن بعض اتنے دانشمند تھے کہ جیسے ہی یہ آیت نازل ہوئی اسی وقت انہوں نے شراب کو چھوڑ دیا، پھر تو صراحۃً انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون. (المائدۃ:۹۰) (بے شک شراب، جوا، اور جو پانسے کے تیر لگائے جاتے ہیں وہ سب شیطانی عمل ہیں، اس سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ)

شراب کی حرمت:

بس! کیا تھا! بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے: میں اپنے سوتیلے والد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان کے دوستوں کی مجلس میں تھا، اور شراب پی جارہی تھی

-وہ چھوٹے بچے تھے اور ایسے موقعوں پر چھوٹے بچوں سے ہی خدمت لی جاتی ہے-تو میں ان کو شراب پلا رہا تھا، اچانک باہر اعلان ہوا: ألا إن الخمر قد حرّمت شراب حرام کر دی گئی، اس سے بچو! تو ان لوگوں نے کہا کہ دیکھو! کیا اعلان ہو رہا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں باہر گیا اور سنا، اُس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر تو تھے نہیں، اعلان کرنے والے محلوں میں جا کر زبانی اعلان کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جا کر کہا: شراب حرام کر دی گئی ہے۔تو فرماتے ہیں کہ جن کے ہاتھ میں جام تھا وہ ہاتھ میں ہی رہا، جنہوں نے اپنے ہونٹ تک لگایا تھا اندر نہیں گیا، سب نے باہر پھینک دیا۔اور جن مٹکوں میں شراب تھی وہ سارے توڑ دیے گئے۔مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ (۱)

کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے:

وہاں کون نگرانی کرنے والا تھا؟ کون سی پولیس تھی؟ اور کون سی ایجنسیاں تھیں؟ جو نگرانی کر رہی ہوں؟ کوئی نہیں، بس! خدا کا خوف دل میں ہے۔واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي المأوىٰ (النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱) قرآن نے اصول بتلا دیا۔اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ اللہ کا ڈر اپنے دل میں بٹھا لیا جائے۔سوچا جائے کہ وہ دیکھتا ہے، میں اس کی نگاہوں کے سامنے ہوں، میں جو کچھ کر رہا ہوں اسے وہ دیکھ رہا ہے، اس کے علم میں ہے، اور کل کو مجھے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس جواب دہی کے تصور سے جو ڈر ا، اور

(۱) أخرجه البخاري برقم: ۲۳۳۲ و مسلم برقم: ۱۹۸۰.

اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کوئی پولیس نہیں تھی، کوئی کہنے والا نہیں تھا؛ لیکن سب عمل کرتے تھے۔

زنا، پرائی عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنا یہ بھی اُس زمانے میں بہت عام تھا، ایک صحابی تھے، ان کا اسلام لانے سے پہلے ایک عورت سے تعلق تھا، اور اس کے ساتھ محبت کے بعد جنسی تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے۔ جب اسلام لائے اور ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے، ایک مرتبہ جب مدینہ سے مکہ آئے، تو وہ عورت جس کے ساتھ محبت کا تعلق تھا، جنسی تعلقات قائم تھے وہ ملی، اور اس نے ان کو اپنے پاس آنے کی آواز دی، انہوں نے کہا کہ اب تو میرے اور تیرے درمیان اسلام حائل ہو چکا ہے، میں نہیں آ سکتا۔ اس عورت نے اپنی محبت کا واسطہ دیا کہ میں نے تو اپنے آپ کو تیرے لیے قربان کر دیا اور تو ایسا جواب دے رہا ہے!!! اور میں تو تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب اس نے اتنی ساری باتیں کہیں، تو ان صحابی نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھوں گا، اگر میرے ساتھ تیرا نکاح ہوسکتا ہے تو کروں گا، ورنہ نہیں، کیوں کہ وہ غیر مسلم تھی، تیرے غیر مسلم ہوتے ہوئے اگر تجھ سے نکاح درست ہوسکتا ہے، تو ٹھیک ہے۔ زنا کا تو سوال ہی نہیں، چناں چہ جب مدینہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سب سنایا اور سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ وحی آئی: الزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ. (النور: ۳) (زانی مرد نکاح کرتا ہے تو تو زناکار یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، اور زناکار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو یا مشرک ہو، اور یہ بات مؤمنوں کے لیے حرام کر دی گئی ہے)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ آیت سنائی تو انہوں نے فوراً اس عورت سے کہہ دیا کہ میں تجھ سے نکاح نہیں کرسکتا۔ فوراً چھوڑ دیا، ذرہ برابر بھی پس وپیش نہیں کیا۔ (۱)

مجھے پاک کیجیے......!!!

کسی سے کوئی قصور ہوتا تھا تو جب تک اس سے توبہ کرکے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرلیتا وہاں تک چین نہیں آتا تھا۔ ایک عورت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول! مجھ سے زنا ہوگیا ہے، آپ مجھے پاک کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ پھیرلیا، وہ عورت دوسری طرف آئی اور پھر یہ کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دوسری طرف منہ پھیرلیا، تیسری طرف آئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ پھیرلیا۔ جب چار مرتبہ ہوا تو پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: دیکھو! یہ کیا کہہ رہی ہے؟ پھر اس عورت نے کہا کہ حضور! مجھے تو اس زنا سے حمل تک ٹھہر چکا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک یہ بچہ تیرے پیٹ میں ہے، تب تک زنا کی سزا تجھ پر جاری نہیں ہوگی۔ کیوں کہ وہ شادی شدہ عورت تھی، اس کو پتھر مار کر رجم کردیا جانا چاہیے؛ مگر اس بچے کا تو کوئی قصور نہیں ہے، بھلے وہ زنا سے بنا ہے؛ لیکن بہر حال وہ تو معصوم اور بے گناہ ہے، اس لیے جب تک وہ تیرے پیٹ میں ہے اُس وقت تک تجھ پر حد جاری نہیں ہوسکتی۔ اور پیدا ہونے کے بعد بھی جب تک اس کو تیرے دودھ کی ضرورت ہے تب تک تیرے اوپر حد جاری نہیں ہوگی۔ چناں چہ وہ گئی، اور پھر اس کو بچہ پیدا ہوا، پیدا ہونے کے بعد اس کو دودھ بھی پلایا، دو سال دودھ پلانے کے بعد جب کھانا شروع کردیا تو وہ اس بچے

---

(۱) أخرجه الترمذی برقم: ۳۱۷۷ (ط: مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر) و أبو داود برقم: ۲۰۵۱ (ط: المکتبة العصریة، بیروت) والحاکم فی المستدرک برقم: ۲۷۰۱ (ط: دار الکتب العلمیة، بیروت)

کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اس حال میں وہ لے کر آئی اور کہا: اللہ کے رسول! یہ ہے وہ بچہ! اب تو اس کو میری ضروت نہیں رہی۔ (۱)

دیکھیے! اس عورت کے اقرار کرنے کو کتنی مدت ہو گئی، تین سال گذر گئے، کوئی F.I.R. درج نہیں کرائی تھی، رجسٹر میں نام نہیں لکھا گیا تھا، تین سال کے بعد خود آئی، وقتی جوش میں کچھ کیا ہوتا تو تین سال میں اس جوش کا اثر بھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے؛ لیکن نہیں، مجھے پاک کرو۔ چناں چہ وہ بچہ جب اس لائق ہو گیا کہ اس کو ماں کی ضرورت نہیں رہی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر حد جاری کی، پتھر لگوائے، اور جب اسی حد اور سزا میں اس کا انتقال ہوا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس نے زنا کیا تھا اور آپ نے اس کی؛ جنازے کی نماز پڑھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر مدینہ والوں پر اس کو تقسیم کیا جائے تو سب کی مغفرت ہو جائے۔

یہ جذبہ کہ مجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ ایاك نعبد اللہ تعالیٰ ہی کی بات ہمیں ماننی ہے، اللہ رب العزت ہی کے حکم پر چلنا ہے، روز حساب کو ہونے والے معاملے سے نمٹنے کا یہی ایک علاج ہے، جب تک یہ دھیان اپنے اندر پیدا نہیں کریں گے وہاں تک یہ چیز آسان نہیں ہو سکتی۔

ایک المیہ، کثرتِ معاصی:

دورِ حاضر میں ہم لوگوں کا سب سے بڑا المیہ اور سب سے بڑا پرابلم یہی ہے کہ ہم لوگوں نے آخرت کو بھلا دیا، آخرت کا تصور ہمارے دماغوں سے نکل گیا، جس کا نتیجہ یہ ہے

---

(۱) أخرجه مسلم برقم: ۱۶۹۵ (ط: دار إحياء التراث العربی)

کہ ہم گناہوں پر جری ہیں۔ دورِ صحابہ میں بچہ بھی کسی گناہ کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ آج آخرت کا تصور دماغ سے نکل جانے کی وجہ سے گناہوں کی کثرت ہو رہی ہے۔ اس کا یہی ایک علاج ہے کہ اس آخرت کے عقیدے کو پختگی سے دل میں جمایا جائے۔ اسی کو اس سورت کی ان تین آیتوں میں بیان کیا گیا۔ اور آگے یہ بتلایا گیا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا حساب لیں گے۔

یقیں محکم عمل پیہم:

حقیقت یہی ہے کہ اس تصور کو اپنے دل و دماغ میں جمانے کی ضرورت ہے کہ ایاك نعبد اے اللہ! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں، تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تجھ ہی کو واجب الاطاعۃ سمجھتے ہیں، ہماری نگاہوں میں تیرے حکم کے مقابلے میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کوئی ہمیں کچھ بھی کہے تیرے حکم کے مقابلے میں کسی کی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ نفس کہے، بیوی کہے، باپ کہے، دوست کہے، حاکم کہے، کوئی بھی کہے ہم تیرے حکم کے سامنے کسی کی بات نہیں مانیں گے۔

ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں:

یہ اتنا آسان کیسے ہو جائے گا؟ تو آگے فرمایا: و ایاك نستعین ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں ہمارے لیے جو رکاوٹیں ہوتی ہیں تو ان رکاوٹوں کا بھی علاج ہے۔ لوگ آج کہتے ہیں: مولانا صاحب! اس زمانے میں تو شریعت پر عمل کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ شریعت پر عمل کرنا مشکل ہو گیا تو کبھی تم نے اللہ سے مانگا؟ اللہ سے کہو: اے اللہ! تو نے مجھے یہ حکم دیا ہے اور اس وقت صورت حال یہ ہے، ماحول میرے

مخالف ہے اور ساری چیزیں میرے مخالف ہیں، تو میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہیے، وہی تو مدد کرے گا۔

ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفیؒ ایک عجیب بات بیان فرماتے تھے: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھیں گے: تو نے یہ گناہ کیوں کیے؟ تو بندہ جواب میں عرض کرے گا: باری تعالیٰ آپ نے مجھے ایسے زمانے میں پیدا کیا کہ گناہوں کا ہی دور دورہ تھا، گناہوں سے بچنا مشکل تھا۔ تو باری تعالیٰ اس کے جواب میں یوں فرمائیں گے: تم نے میری کتاب قرآن میں تو پڑھا تھا: ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر (البقرۃ:۲۰) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تو نے کبھی مجھ سے یوں کہا کہ اے اللہ! اس گناہ سے میرے لیے بچنا مشکل ہے، تو میرے لیے آسانی پیدا کر دے، رکاوٹیں دور فرما دے۔ ہم نے تو اس کے لیے کبھی دعا بھی نہیں کی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں پختہ ارادہ کرنا ہے کہ ہم اللہ ہی کے احکام پر عمل کریں گے اور ہم سے جتنی کوشش ہو سکتی ہے اس کو تو آج سے ہی شروع کر دیں۔ اس میں ہماری طرف سے کمی نہ ہو، اور جو چیزیں ہمارے اختیار سے باہر ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دعاء

سبحانک اللّٰھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک ولا إلٰہ غیرک اللّٰھم لک الحمد کلہ و لک الشکر کلہ و لک الملک کلہ و بیدک الخیر کلہ و إلیک یرجع الأمر کلہ اللّٰھم لا أحصی ثناءً علیک أنت کما أثنیت علیٰ نفسک اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بعدد

ماتحب وترضیٰ۔

ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنةً وفی الأخرة حسنةً وقنا عذاب النار۔

اللّٰھم وفّقنا لما تحب وترضیٰ من القول والعمل والفعل والنیة والھدٰی۔

اللّٰھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین سلما لأولیائک وحرباً لأعدائک نحب بحبک من أحبک ونعادی بعداوتک من خالفک من خلقک۔

اللّٰھم أغننا بالعلم وزیّنا بالحلم وأکرمنا بالتقویٰ وجمّلنا بالعافیة۔

اللّٰھم إن قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئاً۔

اے اللہ! ہمارے دل، ہماری پیشانیاں، ہمارے اعضاء تیرے قبضہ اور اختیار میں ہیں، تو نے ان میں سے کسی کا بھی ہم کو مالک نہیں بنایا، فإذا فعلت ذلک بنا، جب تو نے یہ معاملہ کیا ہے، فکن أنت ولینا تو ہی ہمارا کارساز ہوجا، واھدنا إلیٰ سواء السبیل، اور اے اللہ! سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔ اے اللہ! اپنے فضل کا معاملہ فرما اپنے فضل کا معاملہ فرما۔

اے اللہ! تو نے ہم سے جس اطاعت اور فرماں برداری کا مطالبہ کیا ہے، تیری توفیق کے بغیر، تیری مدد کے بغیر ہمارے لیے مشکل ہے، اے اللہ! تو ہماری مدد فرما، اور ہمارے لیے تیری اس اطاعت اور فرماں برداری کو آسان فرما دے۔ نفس اور شیطان کی غلامی سے، اے اللہ! ان کی دھوکے بازی سے ہمیں نجات عطا فرما۔ اپنے فضل کا معاملہ فرما۔ اے اللہ! ہمیں، ہمارے اہل وعیال اور تمام متعلقین، کو صحت، قوت وعافیت، سلامتی، دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے مالا مال فرما۔ ہماری تمام ضرورتوں کی تو اپنے خزانۂ غیب سے

کفالت فرما،ہمیں کسی کا محتاج اور دست نگر نہ بنا۔اے اللہ! تیری طاعت ہر میدان میں، ہر شعبے میں ہمارے لیے آسان فرمادے۔ ہمارے لیے آسان فرمادے۔

اے اللہ! تیری ذاتِ عالی کا، تیری کبریائی اور تیری عظمت کا استحضار، ہر گھڑی، ہر لمحہ، دن میں، رات میں، خلوت میں، جلوت میں ہمارے دلوں میں ایسا بٹھا دے کہ ہمارے لیے تیرے احکام پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔اپنے فضل کا معاملہ فرما۔اپنے فضل کا معاملہ فرما۔

اے اللہ! تیری شان رحمت کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں اپنے فرماں برداروں میں شامل فرمادے، تیری اطاعت اور فرماں برداری ہمارے لیے آسان فرمادے۔اپنے فضل کا معاملہ فرما۔

تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی خیر اور بھلائی تجھ سے مانگی،ہمیں اور پوری امت کو عطا فرما،اور جن شرور اور برائیوں سے پناہ چاہی ان سے ہماری اور پوری امت کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! یہاں موجود تیرے تمام بندوں کی جائز اور نیک مرادیں پوری فرما۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم وتب علینا إنک أنت التواب الرحیم و صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و آله و أصحابه أجمعین برحمتک یاأرحم الراحمین۔

سورۂ فاتحہ

(۱/جمادی الآخرۃ ۱۴۳۹ھ، مطابق ۱۷/فروری ۲۰۱۸ء شب یک شنبہ)

(قسط-۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّأٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ أَنْ لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ أَرْسَلَہٗ إِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا إِلٰی اللّٰہِ بِإِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ أَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۞ الرحمٰن الرحیم ۞ مٰلک یوم الدین ۞ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۞ اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت علیھم ۞ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۞

گزشتہ سے پیوستہ:

سورۂ فاتحہ کی چوتھی آیت چل رہی تھی۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۞ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

الرحمٰن الرحیم ۞ جو سب پر مہربان اور بہت مہربان ہے۔

مٰلک یوم الدین ۞ جو روز جزاء کا مالک ہے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ روز جزاء کے مالک ہیں، وہاں ہم سے حساب لیں گے، دنیا کے تمام اعمال کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے باز پرس ہوگی فرائض وواجبات کی ادائیگی ہوئی تھی یا نہیں؟ جائز ناجائز کا لحاظ کیا تھا یا نہیں؟ محرمات سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کیا تھا یا نہیں؟ ہر چیز کے متعلق سوال ہوگا۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ ان ساری چیزوں کے متعلق پوچھیں گے، تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے اس مرحلے سے ہم کامیابی کے ساتھ کس طرح پار ہوسکیں گے؟ تو اس کا علاج بتلایا کہ ایاك نعبد و إياك نستعين ؁ اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

واجب الاطاعۃ کون......؟؟؟

عبادت کا معنیٰ: بندگی، غلامی۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی کو واجب الاطاعۃ سمجھتے ہیں۔ اللہ کے مقابلہ میں کوئی دوسرا واجب الاطاعۃ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے ان کی اطاعت بھی اس لیے کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو اس حکم میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ چوں کہ ان کی اطاعت اصالۃً نہیں کی جاتی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے کی جاتی ہے، تو جس حکم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو بھلا اس میں ان کی اطاعت کیسے کی جائے گی؟ واجب الاطاعۃ ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق[1] مخلوق کی ان باتوں میں اطاعت نہیں

---

(۱) انظر ما سلف من التخريج فی ص: ۵۷، الهامش: ۲.

کی جائے گی، جن میں اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو۔ اور إنما الطاعة فی المعروف[1] جن جن مخلوقات کی اطاعت اور فرماں برداری کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (اولاد کو والدین کی، بیوی کو شوہر کی، رعایا کو اپنے حکمران اور حاکم کی) وہاں بھی یہ شرط رہے گی کہ جائز کاموں میں ہی ان کی بات کو مانا جائے گا، وہ اگر کسی ناجائز بات کا حکم دیتے ہیں تو اس میں ان کی اطاعت اور فرماں برداری نہیں ہوگی۔

ایاك نعبد تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تجھے ہی واجب الاطاعۃ سمجھتے ہیں، ہم تیرے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کا حکم نہیں مانیں گے۔ اگر ہم دل میں یہ بٹھالیں تو پھر دنیا میں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوجائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کو حساب کتاب دینا آسان ہوجائے گا۔

لکل داءٍ دواء:

وایاك نستعین (اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ضروری ہے، اس میں اگر کچھ دشواریاں پیش آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ان دشواریوں کو کیسے حل کیا جائے گا؟ ان کا حل یہ ہے کہ اللہ ہی سے مانگیں کہ اے اللہ! تو نے یہ حکم دیا ہے، تیرے اس حکم پر ہمیں عمل کرنا ہے؛ لیکن اس پر عمل کرنے کے معاملے میں ہمارے لیے رکاوٹیں اور دشواریاں ہیں، بیچ میں لوگوں کی طرف سے، دوستوں کی طرف سے، گھر والوں کی طرف سے، اولاد کی طرف سے، بیوی کی طرف سے، معاشرے اور کمیونٹی کی طرف سے روڑے ڈالے جارہے ہیں،

---

(۱) انظر ما سلف من التخریج فی ص: ۵۷، الھامش: ۳.

اب تو ہی ان رکاوٹوں کو دور فرما دے، اور ہمارے لیے تیری اطاعت آسان فرما دے۔ گویا اللہ کی اطاعت کی ادائیگی میں اگر ہمارے لیے کچھ دشواری پیش آتی ہے، تو اسی میں اس کا نسخہ اور علاج بتلا دیا کہ ہم اللہ ہی سے اس سلسلہ کی مدد مانگیں گے۔

آج ہم کہتے ہیں کہ مولانا! ہم کیسے شریعت پر عمل کریں گے؟ دیکھو نا! آج حالات کیسے ہیں؟ ان حالات میں ہم کیسے شریعت کے مطابق تجارت کر سکتے ہیں؟ ہم کیسے شریعت کے مطابق ملازمت کر سکتے ہیں؟ کیسے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گزار سکتے ہیں؟ ہمارے لیے قدم قدم پر مشکلات ہیں۔ ان مشکلات کا حل یہ ہے کہ تم اللہ ہی سے مدد مانگو: اے اللہ! ہمارے لیے تیری اطاعت اور فرماں برداری کو آسان کر دے۔

تم نے ہم سے کیوں نہیں کہا؟؟

اس سے قبل ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ کا مقولہ نقل کیا تھا کہ: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ باز پرس کریں گے کہ: تم نے یہ گناہ کیوں کیے؟ میں نے یہ حکم دیا تھا، تم اس کو کیوں بجا نہیں لائے؟ تو اس وقت جواب میں ہم کہیں کہ باری تعالیٰ! بڑی دشواریاں تھیں، ہر چیز میری مخالف تھی، میرے لیے اس پر عمل کرنا مشکل تھا، میں بالکل مجبور تھا، مجبوری کی وجہ سے میں نے تیرے اس حکم کو توڑا ہے۔ تو وہاں اگر باری تعالیٰ کی طرف سے یہ پوچھ لیا گیا کہ: اگر یہ رکاوٹیں تھیں تو تم نے ہم سے کہا؟ ہم سے مانگا؟ ہم سے سوال کیا؟ تمہارا تو ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے، تو مجھے ہر چیز پر قدرت ہے اس کے تم قائل تھے، اس کو تم مانتے تھے، اس پر تمہارا یقین اور ایمان تھا، اس کے باوجود تم نے ہم سے کیوں نہیں کہا؟ ہم سے کہتے تو ہم تمہاری اس رکاوٹ کو دور کرتے!!! تو یہ ایک نسخہ ہے۔

ایک مجرب عمل:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: کسی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے معاملے میں کوئی بھی رکاوٹ آئی ہو، اگر وہ چالیس (۴۰) دن تک خالص دل سے اللہ کی طرف رجوع کرے اور مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کے مسئلے کو حل کر دیتے ہیں، یہ ہے ایاك نعبد و إیاك نستعین۝ اللہ کی اس اطاعت اور فرماں برداری کے معاملے میں اگر کچھ مشکلات درپیش ہیں تو اس کا حل یہ ہے کہ اللہ ہی سے مانگا جائے۔ گزشتہ ایک مطلب تو یہ بیان کیا تھا۔

ہر چیز اللہ ہی سے مانگیے:

مدد کا ایک اور طریقہ بھی ہے، وہ یہ کہ ہم ہر چیز اللہ سے مانگیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دعا کے طریقے بھی بتلائے کہ ہم اپنی حاجات اللہ تعالیٰ سے کیسے مانگیں؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام دعائیں ہم کو سکھلائی ہیں۔ ایسی عجیب وغریب دعائیں ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

آپ الحزب الاعظم کھول کر دیکھ لیں، ترجمہ پڑھیں گے تو حیرت ہوگی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی دعائیں ہم کو سکھلائی ہیں۔ یہ دعائیں نبی ہی مانگ سکتا ہے، نبی کے علاوہ کسی کی زبان پر یہ دعائیں نہیں آسکتیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دعا کا طریقہ بھی بتلایا کہ ہمیں اللہ سے ہر چیز کس طرح مانگنی ہے؟ یوں سمجھیے کہ یہ چھپے ہوئے سرکاری فارم ہیں، حکومت کی طرف سے جب کسی چیز میں مدد کا اعلان کیا جاتا ہے، جیسے کسانوں کی فلاں چیز کی مدد کی جائے گی، تو جو کسان مدد حاصل کرنا چاہتا ہے، تو حکومت اس کو چھپے ہوئے فارم دیتی ہے کہ یہ فارم بھر لو، اس میں سب کچھ لکھا ہوا ہے، گویا یہ

درخواست اس کو اپنی طرف سے کرنی نہیں پڑتی ہے؛ بلکہ حکومت نے اس درخواست کا مضمون بھی چھاپ کر دے دیا ہے، آپ کو اس میں صرف خالی جگہوں کو پُر کرنا ہے۔ تو ہمیں جو چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا مضمون نبیٔ کریم ﷺ کی زبان مبارک سے بتلا دیا۔

دعائیں، چھپے ہوئے فارم:

دعائیں چھپے ہوئے فارم کی مانند ہیں، ہمیں تو صرف انہیں پُر کر کے اللہ کے ہاں جمع کرانا ہے۔ تو اللہ کی بارگاہ میں ہمیں ان ہی الفاظ میں دعائیں کرنی ہیں۔ ایسے عجیب و غریب الفاظ اور ایسے انداز سے نبیٔ کریم ﷺ نے اللہ سے مانگا ہے کہ کوئی انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ ان دعاؤں کو دیکھ کر ان کے زبان نبوت سے صادر ہونے کا پختہ یقین ہوتا ہے اس لیے کہ دوسرا کوئی ایسی دعا نہیں کر سکتا۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک پر ان دعاؤں کا الہام اور القا ہوا، اور آپ ﷺ نے اللہ ہی کے بتلانے سے ان دعاؤں کو اپنے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔ تو یہ گویا چھپے ہوئے فارم ہیں، سو ان ہی الفاظ میں دعا مانگ کر فارم جمع کروا دیتے ہیں۔

تعلق مع اللہ کا بہترین ذریعہ، دعا:

ہر چیز اللہ سے مانگے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ صوفیا کے ہاں تعلق مع اللہ کے لیے مستقل بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کروائی جاتی ہیں، اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا یہ ایک آسان طریقہ ہے کہ ہر چیز اللہ سے مانگو۔ دل ہی دل میں اللہ سے باتیں کرتے رہو۔ اے اللہ! بجلی چلی گئی، گرمی لگ رہی ہے، مجھے ذرا راحت

پہنچادے۔ ہر چیز دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے کرتے مانگیں۔

یہ وہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے تعلق کو قائم کرتی ہے، اس تعلق کو باقی رکھتی ہے، اور اس تعلق کو بڑھاتی ہے۔ تعلق مع اللہ کو قائم کرنا، باقی رکھنا، اور بڑھانا یہ تینوں اس (دل ہی دل میں اللہ سے مانگنے) سے ہوتا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز میں اور ہر موقع پر دعا کے طریقے بتلائے ہیں، ایسی دعائیں کہ زندگی میں ایک دعا بھی قبول ہوگئی تو ہمارا بیڑا پار ہوگیا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا سکھلائی: بسم اللّٰہ والصلاۃ و السلام علیٰ رسول اللّٰہ، یہ درود شریف مع تسمیہ، پھر اللّٰھم افتح لی أبواب رحمتک.[۱] (اے اللہ! اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے کھول دے) کسی کی پوری زندگی میں یہ ایک دعا ہی قبول ہوجائے تو بیڑا پار ہے، سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ ایسی ایسی دعائیں سکھلائیں کہ ایک دعا ہی اس کے زندگی بھر کے معاملے کو درست کرنے کے لیے کافی ہوجائے گی۔ گویا اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعہ ہمیں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم سے مانگو ہمارے بھکاری بن جاؤ، ہر چیز ہم سے مانگو۔

حدیث شریف میں وارد ہے: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر جوتے کا تسمہ (چپل کی پٹی) ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگیں۔[۲] ایک آدمی سوچ سکتا ہے کہ چپل کی پٹی ٹوٹی اس میں اللہ سے مانگنا ہے؟ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہی بتلارہے ہیں کہ تمہاری ہر چیز اللہ تعالیٰ

---

(۱) أخرجه النسائی فی الکبریٰ برقم: ۹۸۳۸ (ط: مؤسسة الرسالة) وفی عمل الیوم واللیلة برقم: ۹۰ (ط: مؤسسة الرسالة) و البخاری فی التاریخ الکبیر ۱/ ۱۵۹ (ط: دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد، دکن) وغیرھم (**نوٹ: یہ وہ مصادر ہیں جن میں صلوٰۃ ودعا ایک ساتھ وارد ہے**)

(۲) أخرجه أبو یعلیٰ فی مسنده برقم: ۴۵۶۰ (ط: دار المأمون للتراث، دمشق) وغیره.

ہی سے مانگو، اللہ ہی کی طرف رجوع کرو۔ چھوٹے سے چھوٹی چیز کو بھی معمولی مت سمجھو، اصل تو ہمارا مانگنا ہے، کس سے مانگ رہے ہیں؟ ہمارے مانگنے کا تعلق اللہ سے ہو۔ اللہ کے علاوہ ہم کسی کے سامنے بھی اپنی مانگ پیش نہ کریں۔ اگر ایسا مزاج بن جائے کہ ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ سے مانگیں تو پھر دیکھو! اللہ کے ساتھ کیسا تعلق پیدا ہوتا ہے!!!

ہم خرما و ہم ثواب:

آدمی کی دعا کی کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ اس کا دل مکمل اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: الدعاء مخ العبادة.[1] (دعا عبادت کا مغز ہے) عبادت کی روح ہے۔ یعنی ایک عبادت میں جو توجہ مقصود ہوتی ہے وہی توجہ اور کیفیت دعا میں بھی مطلوب ہے۔ اور دعا خود مستقل عبادت ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: إن الدعاء هو العبادة.[2] (دعا عبادت ہے) باری تعالیٰ حکم فرماتے ہیں: ادعونی استجب لکم. (الغافر: ۶۰) (تم مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا) آگے فرماتے ہیں: ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم دٰخرین. (الغافر: ۶۰) (جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں- یعنی دعا مانگنے سے اتراتے ہیں- وہ جہنم میں داخل ہوں گے) دعا یعنی ہم اپنی حاجتیں اللہ سے مانگ رہے ہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ عبادت کا نام دے رہے ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب جیسا معاملہ ہے، کھجور بھی کھاؤ اور ثواب بھی ملے۔ تو ہم اپنی حاجتیں اللہ سے مانگ رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی ہو رہی ہے۔

---

(۱) أخرجه الترمذی برقم: ۳۳۷۱ (ط: مطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر) وغیره.

(۲) أخرجه الترمذی برقم: ۳۳۷۲ (ط: مطبعة مصطفی البابی الحلبی، مصر) وغیره.

ایک غلط فہمی:

بعض لوگ دعا یہ سوچ کر نہیں مانگتے کہ جتنا وقت دعا میں صرف ہوگا، اتنی دیر میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، قرآن کا ایک رکوع پڑھ لوں، تسبیح پڑھ لوں، گویا وہ لوگ دعا کو عبادت نہیں سمجھ رہے ہیں، یہ غلط فہمی ہو رہی ہے، دعا خود عبادت ہے۔ دعا بھی عبادت کا ایک طریقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتلایا ہے، اس لیے کہ دعا کے ذریعہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے ایک تعلق قائم ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے گا، مانگتا رہے گا، مانگتا رہے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ چوبیس گھنٹے اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو پیدا کرنے والی چیز ہے ایاك نستعين۔

کوئی دھندا ہے یا نہیں......؟؟؟

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: من لم يسأل الله يغضب عليه.[1] (جو آدمی اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتے ہیں) دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا داتا ہو، بڑے سے بڑا سخی ہو، آپ دیکھیں گے کسی نے اس کے پاس مانگا، اس نے دیا۔ دوسری مرتبہ مانگا تو پھر دیا، تیسری مرتبہ مانگا، پھر دیا۔ چوتھی مرتبہ مانگا، تب بھی دیا، پانچ چھ مرتبہ دے گا، اس کے بعد اگر مانگے گا تو وہ کیا کہے گا؟: ''ارے! تو تو میرے پیچھے ہی پڑ گیا ہے، کوئی دھندھا ہے یا نہیں؟'' یعنی بڑے سے بڑا دینے والا، اور بڑے سے بڑا داتا، اور بڑے سے بڑا سخی بھی ہوگا تب بھی اس کی زبان پر یہ الفاظ آئیں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ آپ دن میں سو مرتبہ بھی مانگیں گے، تب بھی اللہ آپ سے راضی اور خوش ہوں گے، آپ کو

---

(۱) أخرجه الترمذي برقم: ۳۳۷۳ (ط: مصطفىٰ البابی الحلبی، مصر) وغیرہ.

اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ کیوں کہ مانگنا خود اللہ نے عبادت قرار دیا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں: واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان. (البقرۃ:۱۸۶) (اے نبی! جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں، تو میں قریب ہوں) اس آیت کا انداز بھی عجیب ہے! کہ دوسری جگہوں پر تو انداز یہ ہے یسألونک، قل اے نبی! لوگ آپ سے پوچھتے ہیں، آپ ان سے کہیے۔ لیکن یہاں سیدھا ہی ہے کہ واذا سألك عبادی عنی اے نبی! جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں، اب براہ راست اللہ آ گئے: فانی قریب، میں قریب ہوں۔ اجیب دعوة الداع اذا دعان. دعا کرنے والا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ آپ اس کو یوں کہہ دیجیے، یہ آیا ہی نہیں، سیدھا اللہ تعالیٰ نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا، یہ دعا کا عجیب انداز ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے ایاك نستعین. اے اللہ! ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

دعا کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی کتنا ہی پریشان ہو، دکھی اور دردمند ہو، ایسی حالت میں اگر سچے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر مانگے گا، تو طبیعت میں ایک سکون کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ وہ ساری بے چینی دور ہو جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دل پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ جیسا داتا ہمیں ملا ہے اور جو خود ہمیں حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو نہیں مانگو گے تو اللہ ناراض ہوں گے، قرآن اور حدیث کہتے ہیں۔ اور مانگنے پر اللہ تعالیٰ

خوش ہوتے ہیں اوراس کے باوجود بھی ہم نہ مانگیں،تو یہ ہماری ہی کوتاہی ہے۔اور پھر مانگنے کا یہ سلسلہ جتنا ہم بڑھائیں گے اتنا ہی ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوگا، گویا اللہ کے ساتھ تعلق کو قائم کرنے کی بہت سی شکلیں ہیں، بہت سے طریقے ہیں، اس کے لیے مستقلاً مجاہدے کیے جاتے ہیں، لوگ عبادتیں کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، رات بھر نماز پڑھتے ہیں، دن بھر روزے رکھتے ہیں اور بھی شکلیں اختیار کی جاتی ہیں، اور یہاں دعا کے ذریعہ بندے نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیا۔اللہ تعالیٰ کی عجیب مہربانی ہے، اس کی رحمت ہے کہ دعا کے ذریعہ بندے کو اپنے قریب کر دیتا ہے۔

اللہ کے بھکاری بن جاؤ:

چناں چہ حقیقت یہ ہے کہ اس ایاك نستعین میں ہمیں یہ بھی بتلایا گیا کہ تم اللہ کے در کے بھکاری بن جاؤ، سب کچھ اللہ سے مانگو، بعض لوگ کہتے ہیں: ہمارے پاس تو بھیک کا پیالہ بھی نہیں ہے،تو حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ بھیک کا پیالہ بھی اللہ سے مانگو ہر چیز اللہ سے مانگو۔جب نبیٔ کریم ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو، اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟

تو یہ ایاك نعبد و ایاك نستعین اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا عجیب وغریب نسخہ بتلایا ہے کہ اس کے ذریعہ بندے کا تعلق اللہ کی ذات سے ایسا قائم ہو جاتا ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک تو عبدیت کا تعلق قائم ہوا، اور ساتھ ہی ساتھ ساری حاجتیں بھی پوری ہوگئیں۔ ہر وقت، دل ہی دل میں، زبان سے بولے بغیر دل سے بھی مانگا جاتا ہے۔یعنی آدمی دل سے اللہ کی طرف متوجہ رہے، اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ اللہ! ایسا کر

دے، اللہ! ایسا کر دے۔ کسی کام کے لیے کہیں جا رہے ہیں، گھر سے نکلیں تو دل ہی میں اللہ سے عرض کریں: اے اللہ! کوئی سواری مل جائے، سواری مل گئی، اے اللہ! میں عافیت کے ساتھ منزل پر پہنچ جاؤں، منزل پر پہنچ گئے، اے اللہ! میں جس کام کے لیے آیا ہوں عافیت کے ساتھ میرا وہ کام ہو جائے۔

کیسا داتا!! کیسا سخی!!

دعا مانگنے کے ساتھ ساتھ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کریں، سواری کے لیے دعا بھی مانگے، اور جہاں سواری ملی، تو الحمد للہ کہے۔ ہمارا حال کیا ہے؟ دعا تو مانگتے ہیں؛ لیکن دعا مانگنے کے بعد جہاں وہ کام ہو گیا تو جیسے اللہ کو جانتے ہی نہیں! دوسری حاجت مانگنے میں لگ جاتے ہیں۔ وہ حاجت جو اللہ نے پوری کی اس پر اللہ کا کچھ شکریہ؟ دنیا میں تو انسان کسی کو کوئی چیز دیتا ہے، تو آدمی فوراً اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، اور اللہ کا شکریہ ادا کرنے کا دھیان ہی نہیں!!! باری تعالیٰ فرماتے ہیں: لئن شکرتم لازیدنکم. (ابراھیم:۷) (اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میری نعمتوں میں اضافہ کروں گا) لیکن ہمارا مزاج ایسا بنا ہوا ہے کہ ہم اپنی حاجتوں کے معاملے میں اتنے خود غرض بنے ہوئے ہیں کہ جو حاجت ہم نے مانگی، اللہ نے پوری کی، پھر بھی اس کا شکر ادا کیے بغیر دوسری حاجت مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اللہ بھی کتنا کریم! کیسا داتا، کیسا سخی!! کہ اس کی پہلی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کیا تو بھی دیتا ہے۔

انسان ایسا کرے گا؟ کسی انسان کے پاس کوئی چیز مانگی، اس کا ابھی شکریہ ادا نہیں کیا اور دوسری چیز مانگی تو کیا کہے گا؟ وہ پہلے والی کا تو ابھی ٹھکانہ نہیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ ہے کہ بیسیوں چیزیں آپ نے مانگی کسی کا شکریہ ادا نہیں کیا، تو بھی مانگتے جاؤ، لیتے جاؤ، مانگتے جاؤ،

لیتے جاؤ۔ وہاں کوئی گرفت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دینے بیٹھے ہیں، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مانگو لیکن ساتھ میں اگر شکریہ بھی ادا کریں گے، تو اللہ کی نعمت کا حق بھی ادا ہوگا، اور ساتھ ہی ساتھ اللہ راضی بھی ہوں گے، اور اللہ کی طرف سے نعمت میں اضافہ ہوگا۔

ایاك نستعین تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک ایسا نسخہ بتلایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے بندہ اپنا تعلق اللہ کی ذات کے ساتھ قائم کر سکتا ہے۔ بس مانگو۔ کسی کو واسطہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کے کسی نیک بندے سے دعا کی درخواست کی، کوئی حرج نہیں؛ لیکن خود اللہ کے ساتھ اپنا رشتہ ایسا قائم کرو اور اتنا مانگو کہ بس! اللہ ہی سے مانگنے میں لگے رہو، جتنا اللہ پر یقین بڑھے گا، اللہ دیتا رہے گا۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا ایک معمول:

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں: ''کوئی آدمی میرے پاس آتا ہے تو وہ اپنی بات کہے اس سے پہلے بلا تخلف فوراً میرا دل اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں: اے اللہ! تیرا یہ بندہ یہاں آیا ہے، تو نے بھیجا ہے، جس کام کے لیے بھی بھیجا ہو تو اُس کا کام میرے ذریعہ سے اچھا کرا دے، کسی مشورے کے لیے آیا ہے تو میں اس کو صحیح مشورہ دوں، دعا کے لیے آیا ہے تو میں دعا دوں، یعنی وہ اپنی حاجت پیش کرے، بتائے اس سے پہلے دل اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا۔'' جب ہم اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے کام بھی بن جائیں گے۔

عبادت صرف اللہ کی:

اور ایاك نعبد و ایاك نستعین میں تیسرا پہلو یہ ہے کہ اے اللہ! تیری ہی عبادت

کرتے ہیں، یعنی جن اعمال وافعال کا تعلق عبادت سے ہے وہ اللہ کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً سجدہ، یہ عبادت کا ایک عمل ہے، وہ اللہ ہی کو کیا جائے گا، رکوع اللہ ہی کو کیا جائے گا، وہ قیام جس میں عبادت مقصود ہو، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا وہ اللہ ہی کو کیا جائے گا۔ گویا عبادات کے جتنے بھی طریقے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہوں گے۔ ہم نے کہہ دیا أشهد أن لا إله إلا اللّٰه میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی معبود نہیں، جتنی بھی عبادت کی شکلیں ہیں، وہ اللہ ہی کے لیے کی جائیں گی، اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں کی جائیں گی۔ سجدہ اللہ ہی کو کیا جائے گا۔

براہِ راست:

جولوگ بزرگوں کے مزارات پر جا کر سجدہ کرتے ہیں، بعض لوگ تو اس کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ ہم تو اِن کو اللہ تک پہنچنے کا واسطہ بناتے ہیں، یہ تو وہی بات ہے جو مشرکین کہا کرتے تھے، ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ (الزمر: ۳) (ہم ان بتوں کی عبادت اسی لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کریں) یہی دلیل وہ بتوں کی عبادت کے لیے دیتے تھے۔ آج یہی دلیل اولیا کے مزارات پر سجدہ کرنے والے، سجدہ کرنے پر دیتے ہیں۔ سجدہ تو اللہ کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کیا جائے گا۔ عبادت کی جتنی بھی شکلیں ہیں، جن جن اعمال وافعال کے ذریعہ عبادت انجام دی جاتی ہے، وہ اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔

تیری ہی عبادت، اور تجھ ہی سے مدد:

یہاں ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور دنیا میں ہم بہت

سارے کاموں کے لیے دوسروں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ بیمار ہوئے، ڈاکٹر کی مدد حاصل کی، مکان بنانا ہے، مستری کی مدد حاصل کی۔ تو یہ اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، تو بحیثیت اسباب کے اِن اسباب کو اختیار کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اس کی اجازت دی ہے؛ لیکن ان اسباب کے اندر بھی ہماری نظر اللہ پر ہو کہ اصل ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ اثر ان اسباب میں نہیں ہے۔

اثر کروں یا نہ کروں؟

ایک بہت بڑے ڈاکٹر جن کی زندگی اسی ڈاکٹری کے پیشے میں گزری، بڑے ماہر تھے، ان کا مطب بھی بڑا آباد رہتا تھا، اور اس لائن کی کئی تنظیموں کے وہ ذمہ دار تھے، وہ کہتے ہیں: میری پوری زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ جب ہم دوا کسی کے لیے دیتے ہیں، تو دوا جب اس کے پیٹ میں جاتی ہے، تو وہ اللہ سے پوچھتی ہے کہ میں اپنا اثر کروں یا نہ کروں؟ وہاں سے اجازت ملتی ہے تو وہ اپنا اثر دکھاتی ہے ورنہ نہیں۔ مزید وہ کہتے ہیں: ہم نے دیکھا کہ ایک دوا، ایک بیماری کے لیے، ایک بیمار کو دی، اس کو اثر کیا۔ اور وہی دوا، اسی بیماری کے لیے، دوسرے کو لکھ دی، تو فائدہ نہیں ہوا۔ معلوم ہوا دوا میں کچھ نہیں ہے۔ فائدہ کس میں ہے؟ اللہ کے حکم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس میں تاثیر ڈال دیتے ہیں، اور اللہ چاہتے ہیں تو فائدہ ہوتا ہے۔ تو ہماری نگاہ اسی پر ہو۔ اسباب پر نگاہ نہ ہو۔

نظر اللہ پر ہو:

آپ نے دکان کھولی اور سامان لا کر اندر ڈال دیا، تو گاہک کون بھیجے گا؟ خریدنے والے تو اللہ ہی بھیجے گا نا؟ آپ سب کچھ لا کر کے بیٹھ گئے؛ لیکن تاکتے رہو! ہم نے ایسی

دکانیں دیکھی ہیں۔ دو دکانیں ایک جیسی ہیں، دونوں مال بھی ایک ہی کمپنی کا رکھتے ہیں؛ لیکن ایک کی دکان خوب چل رہی ہے، اور دوسرا بیٹھ کر کے تکتا رہتا ہے۔ اس ایک آدمی کی دکان پر خریدنے کے لیے گاہکوں کے دل میں جو بات ڈالی، وہ کس نے ڈالی؟ گاہک اللہ بھیجے گا۔ ہم کچھ بھی کرلیں! جب تک اللہ گاہک نہیں بھیجیں گے ہماری تجارت کیسے چلنے والی ہے؟ اس لیے کوئی بھی سبب اختیار کیا جائے تو ہمارا اس پر ایمان ہونا چاہیے، یقین ہونا چاہیے کہ اس سبب میں اثر ڈالنے والی ذات بھی اللہ کی ہے۔

کھانا کھایا تو کھانے میں تاثیر اللہ تعالیٰ ڈالیں گے تو بھوک مٹے گی، ورنہ بہت سوں کو جوع البقر کی بیماری ہوجاتی ہے، کھانا کھاتے ہیں؛ لیکن بھوک نہیں مٹتی، پانی پیتے ہیں؛ لیکن پیاس نہیں بجھتی۔ یہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کھانا بھوک نہیں مٹاتا، پانی پیاس نہیں بجھاتا؛ بلکہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے۔ اللہ ہی سے مدد مانگو۔ اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ نگاہ ہماری اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونی چاہیے۔

بعض کافر بعض مؤمن:

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر ایک رات بارش ہوئی، فجر کی نماز کے بعد نبیٔ کریم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اس بارش کی وجہ سے بعض بندے میرے کافر بنے، اور بعض میرے مؤمن بنے۔ جنہوں نے یوں کہا کہ یہ بارش اللہ کی رحمت سے اتری، وہ گویا مجھ پر ایمان لائے۔ اور جو یوں کہتے ہیں یہ فلاں ستارے کی چال کی وجہ سے، فلاں نچھتر (ستارہ) کی وجہ سے یہ بارش برسی، انہوں نے میرے ساتھ کفر کیا۔ (۱)

---

(۱) أخرجه البخاري برقم: ۹۹۱.

عرب ایسا کہا کرتے تھے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی خود اسباب کو مؤثر سمجھتا ہے تو یہ کفر ہے۔ ہاں! سبب کے طور پر ہو؛ لیکن سبب کے ساتھ یوں سمجھنا چاہیے کہ تاثیر ڈالنے والی ذات کون ہے؟ اللہ۔

علاج ڈاکٹروں سے کرانے کی بھی شریعت نے اسی شرط کے ساتھ اجازت دی کہ آپ یوں سمجھیں کہ اس علاج سے فائدہ کب ہوگا؟ جب اللہ چاہیں گے۔ آج یہ بات ذہن میں نہیں رہی۔ فقہ کی کتابوں میں بھی فقہا نے یہ بات لکھی ہے کہ کسی طبیب سے علاج کراتے ہوئے اس خیال اور ارادے کے ساتھ علاج کرانا چاہیے کہ میں اس کی دوا استعمال کرتا ہوں؛ لیکن دوا میں شفا دینے والا اللہ ہے، دوا نہیں۔ آج کیا ہوگیا؟ مولانا صاحب! فلاں ڈاکٹر کے پاس جاؤ نا! اچھا ہو جائے گا۔ لوگ ایسے انداز سے بولتے ہیں گویا اس ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا رکھی ہے، کہ تم جاؤ گے اور شفا ہو جائے گی۔ نہیں! شفا تو اللہ دیتا ہے۔ اس لیے میں تو کہتا ہوں: علاج کے معاملے میں بہت اونچا ڈاکٹر استعمال نہیں کرنا چاہیے، ذرا کم درجہ کا رکھنا چاہیے، تو نظر ڈاکٹر پر نہیں رہے گی؛ کس پر رہے گی؟ اللہ پر رہے گی۔ اونچے ڈاکٹر کو استعمال کرو گے تو اللہ سے نظر ہٹ کر کے ڈاکٹر کی طرف چلی جائے گی، تو جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ ہی کو اصل ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ فاتحہ

(مؤرخہ: ۸/جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۴/فروری ۲۰۱۸ء، شب یک شنبہ)

(قسط-۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ وَ نَشْہَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْہدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ أَرْسَلَہٗ إِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا إِلَی اللّٰہِ بِإِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ أَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝

گزشتہ سے پیوستہ:

سورۂ فاتحہ چل رہی ہے، اب تک اس کی چار آیتیں ہوئی ہیں، اس کو تازہ کرلیں۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۝ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

الرحمٰن الرحیم ۝ جو سب پر مہربان اور بہت مہربان ہے۔

مٰلك یوم الدین ۝ جو روز جزاء یا روز حساب کا مالک ہے۔

ایاك نعبد و ایاك نستعین ۝ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد

مانگتے ہیں۔

یہ چار آیتیں ہوگئی ہیں۔اب یہ پانچویں آیت ہے:

اھدنا الصراط المستقیم ﴿۵﴾ اے اللہ! تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔

اس کو یاد بھی کر لیجیے، کئی روز سے سبق ہو رہا ہے، ایک ایک آیت بھی یاد کریں گے، تو یاد ہو جائے گی-ان شاء اللہ-تاکہ نماز میں جب پڑھیں، تو ذہن میں رہے کہ جو ہم پڑھ رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

اھدنا الصراط المستقیم ﴿۵﴾ اے اللہ! تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔اللہ تعالیٰ سے جو مدد مانگی جاتی ہے (یعنی ہم اللہ ہی سے مدد مانگتے ہیں) وہ تمام چیزوں میں مانگی جاتی ہے؛ لیکن ہماری سب سے بڑی ضرورت صراطِ مستقیم ہے۔اسی کو یہاں مانگنا سکھایا گیا ہے۔اھدنا الصراط المستقیم ﴿۵﴾ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔

ہدایت کے دو معانی:

عربی زبان میں لفظ ہدایت دو معنیٰ ادا کرنے کے لیے آتا ہے:

(۱) إراءۃ الطریق (صرف راستہ بتلا دیا جائے): ایک آدمی آپ سے پوچھتا ہے کہ مجھے اسٹیشن جانا ہے، اسٹیشن تک رہنمائی کرو۔ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ یہاں بیٹھے بیٹھے اس سے یوں کہیں کہ مسجد سے نکلو، نکل کر بائیں طرف چلو، پھر راستہ آئے گا تو دائیں طرف مڑ جانا، پھر ایک کشادہ راستہ آئے گا، وہاں سے آگے بڑھنا، راستہ میں پل آئے گا اس کو پار کرنا۔اس طرح فلاں راستہ، فلاں راستہ، یہاں تک کہ آپ نے اسٹیشن تک کی ساری تفصیل اس کو زبانی بتلا دی۔اس کو اراءۃ الطریق کہا جاتا ہے۔

(۲) إيصال إلى المطلوب: یعنی آپ سے کوئی پوچھے کہ اسٹیشن تک میری رہنمائی کیجیے، تو آپ نے کہا: چلو آؤ! آپ نے اس کو اپنی بائک پر اپنے پیچھے بٹھا دیا، اور اسٹیشن پہنچ کر اُتار دیا، ہاتھ پکڑ کر لے گئے کہ یہ اسٹیشن ہے۔ اس کو ایصال الی المطلوب کہتے ہیں۔ ہدایت کی یہ دو شکلیں ہیں۔

صراطِ مستقیم مانگو!

یہاں صراط مستقیم سے جو ہدایت مانگی جارہی ہے، وہ دوسری قسم ہے۔ اے اللہ! ہم کو صراط مستقیم پر پہنچا دے۔ جو تفصیلات بتلائی جاتی ہیں وہ تو پورا قرآن ہے، آپ جب قرآن کریم پڑھیں گے تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تفصیلات بتلائی ہیں، نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ سیدھا راستہ کون سا ہے، یہ بتایا ہے، اور قرآن کریم میں بھی سب کچھ بتایا گیا ہے۔ تو ہدایت کا پہلا طریقہ یہاں مراد نہیں ہے، بلکہ اهدنا الصراط المستقیم ۝ یعنی اے اللہ! تو ہمیں سیدھے راستے پر لا کر کھڑا کر دے، ہماری انگلی پکڑ کر وہاں پہنچا دے۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ سے مانگی جارہی ہے، اس لیے کہ یہ تفصیلات تو سب کو بتلائی گئی ہیں، مؤمن ہو، کافر ہو، منافق ہو، ایمان لایا ہو، نہ لایا ہو۔ یہاں جو صراط مستقیم مانگا گیا ہے وہ یہی ہے کہ اے اللہ! بس، تو ہم کو صراط مستقیم پر لا کر کھڑا کر دے۔

اور دیکھیے! صراط مستقیم میں کوئی تفصیل نہیں کی گئی، سیدھا راستہ کہاں کا؟ کس کا؟ مطلق رکھا گیا ہے۔ عربی زبان میں جب مفعول کو مطلق رکھا جاتا ہے، تو سب مراد ہوتے ہیں۔ یعنی ہر چیز کا سیدھا راستہ۔ اے اللہ! دنیا اور آخرت کے تمام امور میں ہمیں سیدھا راستہ بتلا۔

سب کچھ اس میں آجاتا ہے:

دنیا کے کاموں میں: جیسے ہم تجارت کرنا چاہتے ہیں تو تجارت کا سیدھا راستہ ہم کو بتلا دے، تجارت کا وہ طریقہ جس سے تو راضی ہوتا ہے، ہم اسی کے مطابق تجارت کریں، اور آسانی کے ساتھ اپنے مقصود کو پالیں۔ اگر ہم زِراعت کرنا چاہتے ہیں تو زراعت کے سیدھے راستہ کی رہنمائی ہمیں عطا فرما، ہم کو اس پر لا کر کے کھڑا کر دے، ہم اس کو بآسانی اپنا لیں، اور مقصود تک پہنچ جائیں۔ ہم بیمار ہیں، علاج کرانا چاہتے ہیں، تو اے اللہ! علاج کے سلسلہ میں جو صراط مستقیم ہے اس کی طرف رہنمائی فرما۔ اس سلسلہ میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، بہت سی مرتبہ مشورہ دینے والوں کے مشورہ کے نتیجہ میں آدمی الجھن میں پڑ جاتا ہے کہ ہم علاج کے لیے کون سی شکل اختیار کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا سکھلائی کہ اهدنا الصراط المستقيم ۝ یہ دعا مانگو، اور اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل میں جو ڈالا جائے اس کے مطابق آپ کو علاج کا طریقہ اپنانا ہے۔ الحاصل ہر چیز میں اللہ سے صراط مستقیم مانگنا ہے، چاہے دنیوی امور ہوں یا اخروی امور ہوں، اللہ تعالیٰ ان تمام امور کو صحیح طریقہ سے، صحیح نیت کے ساتھ، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہم سے انجام دلوائیں۔ اگر ہمیں یہ حاصل ہو گئی، اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صراط مستقیم مل گیا تو ہمارا کام بن گیا۔ بظاہر یہ چھوٹا سا جملہ ہے اهدنا الصراط المستقيم تین کلمے ہیں، اهدنا اور الصراط اور المستقيم ۝ لیکن سب کچھ اس میں آجاتا ہے۔

خلاصہ کا خلاصہ:

اسی لیے لوگوں نے کہا ہے: پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا

خلاصہ اهدنا الصراط المستقیم ہے۔ پہلی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر ہم نے اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کیا، اللہ ہی سے مدد مانگنے کا اقرار کیا اور اب ہم اللہ سے یہ سوال کر رہے ہیں: اهدنا الصراط المستقیم اے اللہ! ہر چیز (دین، دنیا) میں سیدھا راستہ ہمیں بتلا دے اور اس کے مطابق ہم سے عمل کروالے۔ گویا تو ہم کو وہاں لا کر کھڑا کردے۔ قرآن وحدیث میں اس کی تفصیلات ہیں؛ لیکن اس دعا کے ذریعہ ہم جو مانگ رہے ہیں وہ یہی مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں تو اس سلسلہ میں سیدھے راستے پر لا کر کے کھڑا کر دے، ہمیں کوئی زحمت نہ ہو، کسی قسم کی گمراہی میں مبتلا ہونے کی نوبت نہ آئے، اس انداز سے صراط مستقیم کا سوال کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ ابھی بتلایا ہدایت میں یہ سب آجاتا ہے۔ ہم آخرت کے اعتبار سے اللہ پر ایمان لائیں، نبیٔ کریم ﷺ پر ایمان لائیں، فرائض و واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کریں، جائز ناجائز کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کریں، یہ سب کرلیں گے تو ہمارا کام بن جائے گا۔

یہی دعا حدیث میں:

خود نبیٔ کریم ﷺ نے بھی یہی صراط مستقیم، یہی ہدایت اللہ سے خاص طور پر دعا کر کے مانگی ہے۔ چناں چہ حدیث شریف میں نبیٔ کریم ﷺ کی دعا وارد ہے: اللّٰهم إن قلوبنا و نواصينا وجوارحنا بيدك لم تملكنا منها شيئا.[1] اے اللہ! بے شک ہمارے دل، ہماری پیشانیاں، اور ہمارے اعضاء، ہماری آنکھیں، ہمارے کان، ہماری زبان، ہمارے ہاتھ،

---

(۱) أخرجه أبونعيم في الحلية: ۸/ ۳٦۷ (ط: مكتبة الخانجي، القاهرة) والخطيب في التاريخ ۱۵/ ۲٦۴ (ط: دار الغرب الإسلامي) والمتقي الهندي في كنز العمال: ۲/ ۱۸۲ (ط: مؤسسة الرسالة)

ہمارے پاؤں، ہماری ہر چیز تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لم تملكنا منها شيئا تو نے ہمیں ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں بنایا، کوئی اختیار ہمارے پاس نہیں ہے۔ فإذا فعلت ذالک بنا جب تیرا یہ معاملہ ہے ہمارے ساتھ، تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے، فكن أنت ولينا تو ہی ہمارا کارساز بن جا، واهدنا إلى سواء السبيل، یہاں بھی سواءِ سبیل مانگا گیا ہے، ہم کو سیدھے راستے پر لا کر کھڑا کر دے۔ تفصیلات تو قرآن وحدیث میں بھی ہے، لیکن خالی ان تفصیلات کو سننے سے کام نہیں بنتا، جب تک اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں لا کر کھڑا نہ کر دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کو مانگا گیا ہے۔

اس دعا سے قبل دو باتوں کا اہتمام کرلے:

اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام کیا جائے۔ اور آدمی اس دعا سے پہلے دو چیزوں کا اہتمام کرلے: (۱) عزم مصمم (۲) اپنی قدرت میں جتنا ہے اتنا کرلے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرماتے ہیں۔ مثلاً: ایک آدمی تجارت کرنا چاہتا ہے، تو تجارت کے سلسلہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق مجھے تجارت کرنی ہے، یہ عزم مصمم کرلے، کیسے ہی حالات کیوں نہ پیش آئیں، کیسی ہی رکاوٹیں کیوں نہ پیش آئیں، کیسی ہی مشکلات کا کیوں سامنا نہ ہو؛ لیکن اسی طریقہ کے مطابق میں اپنی تجارت کروں گا، یہ عزم مصمم۔ اور اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرنا بھی شروع کر دے۔ اور اس میں جو رکاوٹیں آئیں ان رکاوٹوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! ہماری رہنمائی فرما، ہمیں وہاں تک پہنچا دے۔ جیسے اياك نعبد و اياك نستعين میں گزر چکا۔

کہیں گناہ میں پھنسنے کا، گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتو اس وقت بھی یہی عزم کرلیں، کچھ بھی ہوجائے، کیسی ہی صورت کیوں نہ ہو، ہم اس گناہ کا ارتکاب نہیں کریں گے، اور ساتھ ہی ساتھ اس گناہ سے بچنے کے لیے ہمارے مقدور میں جتنا ہے، ہمارے بس میں جتنا ہے وہ کرگزریں، اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں، تو اللہ تعالیٰ راستے کھول دیتا ہے۔

عبرة لأولی الألباب:

سیدنا حضرت یوسفؑ کا واقعہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا، قرآن میں جتنے بھی واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ کوئی قصے کہانی تھوڑے ہیں! بلکہ ان سے سبق دینا مقصود ہوتا ہے۔ سیدنا حضرت یوسفؑ سے زلیخا نے مطالبہ کیا۔ اب زلیخا کون ہے؟ وہ تو ان کے آقا کی بیوی ہے، ان کی خواہش پوری کرنے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے لیے سارے اسباب مہیا کر دیے، دروازے بند کر دیے، دروازوں پر تالے لگا دیے، اور پھر خالی کہنا نہیں؛ بلکہ باقاعدہ عملی طور پر حضرت یوسفؑ کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے بھی کوشش کی، ان کا دامن پکڑا۔ اس موقع پر حضرت یوسفؑ اگر یہ سوچتے کہ اب تو میں بالکل بےبس ہوں، اب تو میرے لیے اس چیز کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں ان کی بات پر عمل کروں۔ اس لیے کہ دروازے بھی بند ہیں، نہ کوئی آسکتا ہے، نہ کوئی میری مدد کے لیے آئے گا، نہ میں باہر نکل سکتا ہوں، کیوں کہ تالے لگے ہوئے ہیں۔ سامنے تالا موجود ہے پھر بھی حضرت یوسفؑ نے اپنا ارادہ پختہ کرلیا، مجھے اس گناہ پر عمل نہیں کرنا ہے، اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا ہے، اور پختہ ارادہ کرلیا کہ اس گناہ سے مجھے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ اور اس عزم کے ساتھ پھر اپنی طاقت میں جتنا تھا کہ اس کے ہاتھ سے اپنے آپ کو چھڑا کر کے دروازے کی طرف بھاگے،

حالاں کہ دروازے پر تالے لگے ہوئے ہیں، دروازہ بند ہے۔ دوسرا آدمی یوں سوچتا کہ بھاگ کر بھی کیا کروں گا؟ وہاں جا کر بھی کچھ کام تو ہونے والا نہیں ہے! لیکن نہیں؛ حضرت یوسفؑ نے ہتھیار نہیں ڈالے، اتنا (دروازے تک) بھاگنا تو اپنے ہاتھ میں تھا، اتنا تو کرلیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں دروازے کے پاس پہنچے، خود ہی تالا ٹوٹا، دروازہ کھلا، باہر اپنے آقا کو پایا۔

بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اللہ کے حکم پر عمل کرنے کا عزم مصمم کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی طاقت میں اس پر عمل کرنے کے لیے جتنا کچھ ہوسکتا ہے وہ کر گزرے اور آگے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد مانگے، تو پھر دیکھو! اللہ تبارک تعالیٰ ساری رکاوٹیں دور کر دیں گے، اور اس کے لیے عمل کی راہیں اللہ تعالیٰ آسان کر دیں گے۔ یہی دعا اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے۔ اور ہمیں اپنی زندگیوں کو اسی کے مطابق بنانا ہے، اسی کی کوشش کرنی ہے۔

گویا ایک آدمی زبان سے دعا مانگے؛ لیکن اس دعا کے تقاضے کے مطابق عمل نہ کرے، اس کا گناہ سے بچنے کا عزم نہ ہو، اور کہے: اللہ! بدنگاہی سے میری حفاظت فرما لیکن بدنگاہی سے بچنے کے لیے عزم مصمم نہیں کرتا، بدنگاہی سے بچنے کے لیے اپنی طاقت میں، اپنے بس میں، اپنی قدرت میں جتنا ہے وہ کرتا نہیں ہے اور پھر یوں کہتا ہے کہ: میں تو بے بس ہوں۔ کس طرح ہوگا؟ یہ دونوں کام تو کرنے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔

......تو دعا نہیں، مذاق ہے:

پہلے یہ دونوں کام کیے بغیر اگر دعا مانگیں گے تو وہ دعا نہیں؛ مذاق ہے۔ سیدھی بات

ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں اس کے مطابق ہی کرنا ہے تو اس کے لیے یہ دو کام جب کریں گے، پھر دعا مانگیں گے تو حقیقی معنی میں طلب ہوگی، دعا ہوگی، اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد بھی فرمائیں گے۔ ورنہ نہ تو عزم مصمم ہو، نہ اپنے مقدور بھر جو کچھ کر سکتے ہیں اس کے کرنے کا اہتمام ہو، خالی زبان پر یہ ہو کہ اھدنا الصراط المستقیم ؐ یہ تو یوں سمجھیے کہ ایک جھوٹا مطالبہ ہے، طلب صحیح نہیں ہے، صحیح طلب تو اسی وقت کہلائے گی جب پہلے ہماری طرف سے دو کام عمل میں آجائیں، تو پھر تیسرا ہماری طرف سے دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے جو مطالبہ کیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس مطالبہ کو پورا فرمائیں گے۔ ورنہ ہم تو دل سے نہیں چاہتے، ہم نے اس کے لیے عزم مصمم نہیں کیا، ہم نے اس کے لیے اپنی طرف سے جو کوشش کر سکتے ہیں وہ کوشش نہیں کی، اور پھر ہم یہ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ کام کروائیں انلزمکموھا وانتم لھا کرھون ۔ (ھود :۲۸) کیا ہم زبردستی تمہارے سر تھوپیں گے، جب کہ تم دل سے اس کو چاہتے نہیں ہو؟ دل سے آدمی چاہے، اس کے لیے عزم مصمم کرے، عملی اقدام بھی جتنا اس کی طاقت میں ہے، بس میں ہے وہ کر گزرے، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راہ کھول دیں گے۔

اھدنا الصراط المستقیم ؐ روزانہ، ہر نماز میں، اور نماز کی ہر رکعت میں گویا ہم کو یہ دعا سکھلائی گئی۔ جب یہ پڑھیں تو پڑھتے ہوئے ہمیں اس کا احساس ہونا چاہیے۔ جو لوگ اس کے معانی کو جانتے ہیں وہ بھی اس کے اوپر سے غفلت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، اور اس کی طرف سے بے اعتنائی کے ساتھ گزر جاتے ہیں، کیا مانگا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ٹیپ ریکارڈ کا ایک بٹن ہے، دبا دیا اور ٹیپ چل رہی ہے، ہماری نماز کا بھی ایسا حال ہو گیا ہے۔

ہر ہر جملہ جب ہماری زبان سے نکلے تو یہ دعا دل کی گہرائیوں سے ہماری زبان پر

آنی چاہیے، پھر دیکھو! اللہ تعالیٰ اس کے کیسے اثرات اس پر مرتب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کیسے نوازتے ہیں۔ ہر رکاوٹ کو ان شاء اللہ دور کر دیں گے، ہر پریشانی کو اللہ تعالیٰ ختم کر دیں گے، ہر مشکل کو اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں گے؛ لیکن بس! بات وہی ہے کہ اللہ سے دل کی گہرائی سے اس کی طلب ہو، اور اس طلب سے پہلے جو دو شرطیں ہیں - عزم مصمم اور اپنی قدرت کے مطابق اس پر عمل کرنے کی - وہ دونوں شرطیں پوری ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

سورۂ فاتحہ

(مؤرخہ ۱۵/ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۴/ مارچ ۲۰۱۸ء شب یک شنبہ)

(قسط-۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا وَ نَعُوذُ بِاللّٰہ من شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّأٰتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ أَرْسَلَہٗ إِلٰی کَافَّةِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ دَاعِیًا إِلَی اللّٰہِ بِإِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ أَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أَمَّا بَعْدُ.

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝

آموختہ:

سورۂ فاتحہ کی چار آیتیں ہو چکی ہیں، دوبارہ ان کا ترجمہ کر لیتے ہیں تاکہ ذہن نشین ہو جائیں۔ یہ سورت چوں کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی ہر ہر آیت کا مطلب اور ترجمہ ہمیں یاد ہو، تاکہ جب نماز میں پڑھیں تو اس کو سمجھ کر دھیان اور توجہ کے ساتھ پڑھیں۔ اس لیے سننے والوں سے بھی درخواست ہے کہ اس کے ترجمہ و معانی کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیں۔

۞ الحمد للہ رب العٰلمین۝ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

۞ الرحمٰن الرحیم۝ جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔

۞ مٰلک یوم الدین۝ جو روز جزاء یا روز حساب کا مالک ہے۔

اس دنیوی زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے، میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیں اپنی دنیوی زندگی کے تمام اعمال کا حساب دینا ہے، کوئی بچ نہیں سکتا۔ اُس دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملکیت اور اس کی بادشاہت کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ روز جزاء کا مالک ہے، یعنی مالک تو اللہ تعالیٰ آج بھی ہیں؛ لیکن دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو بھی چیزوں کی مجازی ملکیت عطا فرمائی ہے۔

حقیقی مالک، اللہ:

میں اور آپ کپڑا پہنے ہوئے ہیں، کپڑے کے ہم مالک کہلاتے ہیں۔ ہماری جیب میں جو پیسے ہیں، ہم اس کے مالک کہلاتے ہیں، اپنے مکان کے مالک کہلاتے ہیں، اگرچہ ملکیت حقیقی نہیں ہے، حقیقی ملکیت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے؛ لیکن ہم مالکِ مجازی ہیں۔ دنیا میں فائدہ اٹھانے کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے۔ یہ سب املاک بھی اُس دن نہیں رہیں گی۔ کسی کے پاس کچھ نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ قبروں سے جب اٹھائیں گے، تو بدن پر کپڑا نہیں ہوگا، پاؤں میں جوتا نہیں ہوگا، جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، ویسا اٹھایا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں برہنہ پا، برہنہ بدن، اور بغیر ختنہ کیے ہوئے اٹھائے جائیں گے۔ (۱)

---

(۱) قد مرّ تخریجه فی ص: ٦٣.

باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کما بدأنا اول خلق نعیدہ (الانبیاء: ۱۰۴) کسی کی کوئی چیز نہیں، سب چیزوں کے مالک حقیقت میں بھی اللہ اور ظاہری اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ ہوں گے۔ کسی کی کوئی حکومت نہیں، اللہ تعالیٰ خود سوال کریں گے: لمن الملك اليوم. (الغافر: ۱۶) (آج کس کی حکومت ہے؟) کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہی جواباً فرمائیں گے: لله الواحد القهار (ایک اللہ کی جو غلبہ والا ہے) تو یہ ملك يوم الدين کا استحضار ہونا چاہیے۔ یہ آیتیں جب پڑھیں تو اس وقت اس کا تصور ہونا چاہیے۔

یہ بات گزر چکی کہ اس سورت کے منجملہ اسما کے ایک نام "سورة الصلاة" ہے۔ اس لیے کہ یہ سورت نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ جب بندہ نماز میں پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں، اس کا استحضار ہونا چاہیے۔

اجابت از درِ حق بہر استقبال......:

مسلم شریف کی روایت ہے: بندہ جب نماز میں پڑھتا ہے الحمد لله رب العلمين (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: حمدني عبدي (میرے بندے نے میری حمد بیان کی، میری تعریف کی) یہ استحضار ہونا چاہیے۔ چناں چہ آدمی جب پڑھے تو قدرے ٹھہر جائے، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے جواب دیا جا رہا ہے اس کا تصور کرے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے متعلق نقل کیا جاتا ہے- بڑے اولیا وصوفیا میں سے تھے- کہ نماز میں جب میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں تو الحمد لله رب العلمين پر ٹھہرتا ہوں اور اللہ کا جواب سنے بغیر آگے نہیں بڑھتا۔ اللہ کے ایسے بھی بندے ہیں!!! اور آپ ﷺ

نے یہ ارشاد فرمایا، اور آپ کا ارشاد حق ہے: اللہ تعالیٰ نے میرے اس پڑھنے کے جواب میں یہ فرمایا۔ اگرچہ میں نے اپنے ضعف حس کی وجہ سے نہیں سنا؛ لیکن اللہ نے فرمایا ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: جب بندہ الرحمٰن الرحیم ۝ پڑھتا ہے، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اثنیٰ علیّ عبدی (میرے بندے نے میری ثنا بیان کی) اور جب بندہ مٰلك یوم الدین۝ (جو روز جزاء کا مالک ہے) پڑھتا ہے، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: مجّدني عبدي (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی) اِن تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین (اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) عبادت اللہ کی ہوتی ہے تو یہ آدھا حصہ تو اللہ کے لیے ہوا۔ و ایاك نستعین۝ (تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) یہ بندے کی حاجت پوری ہوئی۔ اس لیے اس کے جواب میں کہا: هذا بینی و بین عبدی ولعبدی ماسأل (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو وہ ملا، یا میں نے دیا جو اس نے مانگا) اور آگے جب پڑھتا جائے گا اهدنا الصراط المستقیم۝ تو اللہ تعالیٰ فرماتے جائیں گے: هذا لعبدی ولعبدی ماسأل، هذا لعبدی ولعبدی ماسأل (یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو جا مانگا وہ میں نے اس کو دیا۔ [1] لہٰذا یہ استحضار ہونا چاہیے۔

آمدم برسرِ مطلب:

اهدنا الصراط المستقیم (اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما) پر پہنچے تھے، اس سلسلہ میں بتلایا تھا کہ ہر چیز میں سیدھا راستہ دنیوی امور میں بھی، اور

---

(۱) قد مرّ تخریجه فی ص: ۳۳.

اخروی امور میں بھی۔

ہم تجارت کرتے ہیں تو اس میں بھی اللہ سے مانگیں: اے اللہ! ہم کو تیرا راستہ بتلا دے، اُسی کے مطابق ہم حلال طریقہ سے تجارت کریں۔ اور تجارت میں کوئی غلط چیز جس کو تو نے منع فرمایا ہے ہم اس کا ارتکاب نہ کریں۔ گویا اس میں سیدھا راستہ۔ ہم علاج معالجہ کے لیے جارہے ہیں تو اس میں بھی سیدھا راستہ۔ اور جس کے پاس جائیں اس کے اوپر بھی اللہ تعالیٰ بیماری کی حقیقت منکشف فرمائے اور اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ منکشف فرمائے۔ تو اگر آدمی ہر چیز میں سوال کرے گا اور اھدنا الصراط المستقیم پڑھتے ہوئے سوچے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولعبدی ما سأل، کا پروانہ ہوگا۔

معلومات کو معمولات بناؤ!!!

شروع میں یہ بات گزر چکی کہ اس کی فضیلت کے سلسلہ میں احادیث میں وارد ہیں: ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آسمان سے ایک آواز آئی، انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: آج آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہیں کھلا، اور آج اس سے ایک فرشتہ اترا جو کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، اور اس نے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی امت کو دو نور عطا فرمائے جو کسی کو پہلے نہیں دیے گئے، جو آدمی اس سے دعا کرے گا اللہ اس کو قبول فرمائیں گے۔ (۱) اللہ نے دعا سکھلائی اور اللہ نے یہ دعا ہر نماز، بلکہ نماز کی ہر رکعت میں ہم پڑھتے تو ہیں؛ لیکن اس کو پڑھتے وقت جو توجہ، دھیان اور استحضار ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ ایک عادت بن گئی ہے کہ روزانہ ہماری

---

(۱) قد مرّ تخریجه فی ص: ۳۷، الهامش: ۱.

زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہمارا خیال کسی اور چیز کی طرف ہوتا ہے، تو اس کا حقیقی فائدہ ہم کو نہیں پہنچتا ہے۔ضرورت ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں۔کوشش کریں اوراس کی عادت ڈالیں۔

بہرحال! یہ پانچویں آیت تھی اھدنا الصراط المستقیم ۝ (اے اللہ! تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطافرما) ہرچیز میں، دنیاوآخرت کے تمام کاموں میں۔

صراط مستقیم کیا ہے......؟؟

صراط الذین انعمت علیھم یہ چھٹی آیت ہے۔صراط مستقیم کیا ہے؟ صراط مستقیم بتلایا جارہاہے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے انعام کیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پرانعام فرمایاان کا راستہ۔

دوسری جگہ سورۂ نساء میں باری تعالیٰ کاارشادہے: ومن یطع اللہ و الرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصلحین. (النساء:۶۹) جولوگ دنیامیں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت اورفرماں برداری کرتے ہیں، تو جب انہوں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ گزاری تو اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی اُن کوان بندوں کے ساتھ-جن پراللہ کاانعام ہوا-رکھیں گے ویسے جومقام اورمرتبہ اُن کاہے وہ تونہیں؛ لیکن وہاں آسانی کے ساتھ وہ ملاقات کرسکیں گے۔ جیسے سفرمیں ہماراکوئی رفیق ہے، فرسٹ کلاس میں بیٹھا ہواہے، اس کے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ ہے، ہم فرسٹ کلاس میں چوں کہ نہیں بیٹھ سکتے؛ لیکن باقاعدہ اس گاڑی کا ٹکٹ ہمارے پاس ہے تو ملاقات کے لیے جائیں تو کم سے کم اتنی گنجائش تونکلتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ان تمام لوگوں کو- جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اہتمام کرتے ہیں- کو موقع دیا جائے گا کہ ان کی ملاقات جب چاہیں کرلیں، ان کا دیدار کرلیں۔

منعم علیہ کون؟

ایک صحابی نے آکر نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی تھی: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے ساتھ ایسی محبت ہے، آپ کو دیکھے بغیر مجھے چین نہیں پڑتا، گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کی یاد آتی ہے تو آجاتا ہوں اور دیکھ لیتا ہوں۔ لیکن پھر سوچتا ہوں کہ دنیا میں تو میں کر لیتا ہوں، آخرت میں کیا ہوگا؟ تو پھر اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا۔ جن پر انعام کیا گیا ہے وہ کون ہیں؟

اس آیت میں بتلایا گیا کہ من النبیین.

انبیاء تو وہ جماعت ہے جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ وحی بھیجتے ہیں۔ نبوت کسی آدمی کی اختیاری چیز نہیں ہے، کوئی آدمی اپنے ارادے اور اختیار سے نبی نہیں بن سکتا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا انتخاب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض بندوں کو چنتے ہیں، اور ان پر فرشتوں کے ذریعہ وحی بھیجتے ہیں، اور ان کو اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ وحی کے ذریعہ جو پیغامات تم کو دیے گئے ہیں، ہمارے ان پیغامات کو دوسرے بندوں تک پہنچاؤ۔ انبیاء سے اللہ تعالیٰ دوسرے بندوں کی اصلاح کا کام لیتے ہیں۔ اب جب نبیٔ کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا، آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ ویسے قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نازل ہوں گے؛ لیکن ان کی بعثت تو حضور ﷺ سے پہلے ہوچکی ہے۔

والصدیقین اور دوسری جماعت جن پر اللہ کا انعام ہوا وہ صدیقین کی ہے۔ یعنی اپنے ظاہر اور باطن سے وہ اللہ کے نبیوں کی تصدیق کر چکے، یعنی اللہ کے نبیوں کو ماننا، ظاہر سے بھی اور باطن سے بھی۔ گویا ان کے ماننے کے معاملہ میں انہوں نے کوئی دلیل نہیں مانگی، بغیر دلیل کے، سچے دل سے ان کو تسلیم کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو جب اپنی نبوت سے آگاہ کیا تو فوراً ایمان لے آئے، انہوں نے نبوت کی کوئی دلیل نہیں مانگی۔ آپ ﷺ جب معراج سے واپس تشریف لائے، تو ابھی تک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بات پہنچی نہیں تھی، اور لوگوں کو معلوم ہوا تو اُن سے کہنے لگے کہ تم جن پر ایمان لائے وہ کیا کہتے ہیں معلوم ہے؟ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اگر وہ کہتے ہیں، تو صحیح ہے۔ دلیل کے بغیر سچے دل سے جو تسلیم کرلے، جی جان سے ان کی صداقت کی گواہی دے تو اس کو صدیق کہا جاتا ہے۔

والشھداء تیسری جماعت ہے شہدا۔ اللہ کے دین کے لیے وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کی حفاظت کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیتے ہیں، تو یہ تیسری جماعت ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا۔

والصلحین چوتھی جماعت صالحین۔ نیک بندے جو ہر طاعت کا اہتمام کرتے ہیں، اور اللہ کی منع کی ہوئی ہر چیز سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں، ذرہ برابر بھی اس میں کمی کوتاہی نہیں کرتے۔ طاعت کا مکمل طور پر اہتمام اور مناہی سے مکمل طور پر اجتناب، یہ صالحین کی جماعت ہے۔ پس آیت کریمہ میں بتلایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی برکت سے اُس کا حشر بھی انبیاء وصدیقین وغیرہم کے ساتھ ہوگا۔ [1]

---

(۱) أخرجه الطبرانی فی الصغیر برقم: ۵۲ (ط: مکتب الإسلامی دار عمار، بیروت)

آدمی کو چاہیے کہ اللہ کی اطاعت کا ایسا اہتمام کرے کہ کسی بھی طاعت کے معاملہ میں، اس کی بجا آوری میں کوئی کمی کوتاہی نہ ہونے پائے، اور کسی بھی معصیت سے بچنے کے معاملہ میں بھی کوئی کمی کوتاہی نہ ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

دیکھو! یہاں صراط مستقیم کی وضاحت میں کہا گیا: ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ نے انعام کیا، اس کے ذریعہ ایک بہت بڑی حقیقت بتلائی گئی اور ایک غلط فہمی کو دور کیا گیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن ہمارے پاس ہے، اور ہم عربی زبان جانتے ہیں، یا اگر چہ ہم عربی زبان نہیں جانتے؛ لیکن آج کل تو قرآن کے ترجمے بکثرت ہو گئے ہیں، ہم اپنے طور پر قرآن کا مطالعہ کر کے اس کے مطابق عمل کر لیں گے، یہ ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی سے پوچھیں کہ فلاں عالم کیا کہتے ہیں؟ اور فلاں صالح کیا کہتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر ہدایت کا راستہ پانا چاہتے ہو تو منعَم علیہ جماعت -جن پر اللہ کا انعام ہوا- ان کی صحبت اختیار کرو۔ ان کی صحبت اختیار کرو گے تو ہی آپ کو ہدایت کا راستہ ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا دستور یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں، کتابیں انسان کی ہدایت کے لیے ہی بھیجی جاتی ہیں، قرآن میں بھی اللہ نے ہدایت کا راستہ کھول کر بیان کر دیا ہے- میں نے جہاں ہدایت کی وضاحت کی تھی وہاں بتلایا تھا کہ ہدایت کی ایک قسم ہے راستہ بتلا دینا، وہ تو اللہ تعالیٰ نے بتلا ہی دیا ہے، سب کے لیے، مؤمن ہو، کافر ہو، ہر ایک کے سامنے کھلی ہوئی کتاب ہے-؛ لیکن اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک پہنچا دیں، یہ اصلی ہدایت

ہے۔ ایصال الی المطلوب، اسی کا سوال کیا جا رہا ہے۔ اور یہ ہدایت کب ملے گی؟ جب کہ ان کی صحبت اختیار کی جائے گی۔ ان کی صحبت ہی سے آپ کو صحیح راستہ ملے گا۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ:

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں، کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کا بھی سلسلہ رکھا، کبھی ایسا تو نہیں ہوا کہ کتاب اتاری ہو اور اس کے ساتھ نبی اور پیغمبر نہ بھیجا ہو، جتنی بھی کتابیں اللہ نے بھیجی ہیں نبی اور پیغمبروں پر ہی بھیجیں۔ ایسا تو ہوا کہ پیغمبر بھیجا، ساتھ میں کتاب نہیں ہے۔ پہلے بھیجی ہوئی کتاب کے تابع بنا دیا، الگ سے کتاب نہیں دی گئی؛ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب بھیجی ہو اور ساتھ میں نبی اور پیغمبر کو نہ بھیجا ہو، نہیں! پیغمبر اور نبی ہوں گے تب ہی کتاب پر عمل کا طریقہ معلوم ہوگا۔ قرآن میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم. (النحل:۴۴) (ہم نے یہ نصیحت کی کتاب، یہ قرآن آپ پر اتارا، تاکہ آپ ان لوگوں کے لیے قرآن کی ہدایتوں کو واضح کریں) گویا قرآن کے بتلائے ہوئے راستے کو نمونہ پیش کر کے عملی طور پر بتلانا یہ پیغمبروں کا اور جنہوں نے پیغمبروں کی صحبت اٹھائی - صدیقین، شہدا اور صالحین - ان کا کام ہے۔ ان کے ساتھ رہو گے تو ہی آپ کو ہدایت کا راستہ ملے گا۔ صرف قرآن کے مطالعہ سے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں مشرکین نے کہا تھا: لولا نزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم. (الزخرف:۳۱) (یہ قرآن دو بستیوں (مکہ مکرمہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟) اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس پر قدرت رکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں تمام حضرات لیٹے ہوئے ہیں، صبح کو جب اٹھیں تو تکیہ کے

پاس قرآن رکھا ہوا ہو، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کر دیا جاتا کہ تمہارے پاس اللہ کی کتاب رکھ دی گئی ہے، اس کا مطالعہ کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ لیکن ایسا نہیں کیا۔ بلکہ کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رجال اللہ یعنی اللہ کے مخصوص بندے، پیغمبروں کو بھی بھیجا۔ توریت بھیجی تو حضرت موسیٰؑ پر بھیجی، زبور بھیجی تو حضرت داودؑ پر، انجیل حضرت عیسیٰؑ پر، قرآن حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اکیلی کوئی کتاب بھیجی۔ اکیلی کتاب سے ہدایت نہیں پھیلتی۔

صحبت ضروری ہے:

دنیوی علوم وفنون بھی خالی کتاب پڑھنے سے نہیں آتے۔ میڈیکل سائنس ہے، کوئی ڈاکٹر بننا چاہتا ہے، ڈاکٹری کی کتابیں چھپی ہوئی موجود ہیں، ایک آدمی بہترین انگریزی زبان جانتا ہے، وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر بن جاؤں گا، اور مریضوں کا علاج کروں گا، تو اگر وہ علاج کرے گا تو قبرستان آباد کرے گا۔ کسی ڈاکٹر کی صحبت میں رہے بغیر خالی میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھنے سے وہ ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ اسی طرح دوسری اقسام ہیں، جیسے کوکنگ (cooking) یعنی کھانا پکانا ایک فن ہے۔ تو کھانا پکانے کے سلسلہ میں بے شمار کتابیں دکانوں پر آپ کو ملیں گی۔ اردو میں: فلاں دسترخوان، فلاں دسترخوان۔ گجراتی میں بھی ملتی ہیں؛ لیکن اب کوئی آدمی صرف ان کتابوں کو پڑھے، کسی باورچی کی صحبت اس نے اختیار نہیں کی، وہ صرف کتابیں دیکھتا ہے، ان کتابوں میں بریانی کا طریقہ بھی لکھا ہے، قورمہ کا طریقہ بھی لکھا ہوا ہے، قورمہ بنائے گا تو قورمہ تو بننے والا ہی نہیں ہے، پتہ نہیں کیا بن جائے گا؟ جب تک کسی باورچی کی صحبت اختیار نہیں

کرے گا، وہاں تک پکا نہیں سکتا۔

کپڑے سینے (Tailoring) کے فن کے سلسلہ میں بھی آپ کو دکانوں پر بہت ساری کتابیں ملیں گی، کوئی آدمی محض ان کتابوں کو پڑھ کر درزی بننا چاہے، تو کپڑا تو کیا سیے گا کاج بنانا بھی نہیں آئے گا۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ درزی کی صحبت اختیار کرے، گویا دنیا کے علوم وفنون بھی خالی کتابیں پڑھنے سے نہیں آتے ؛ بلکہ جو ان فنون کے جاننے والے ہیں، ماہر ہیں، ان کی صحبت اختیار کرو، اور ان کی تربیت میں رہو گے، تب یہ چیزیں آئیں گی۔ اس کے بعد کتابیں پڑھو گے تو وہ کتابیں آپ کو فائدہ پہنچائیں گی، ورنہ خالی کتابوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ خالی قرآن پڑھ کر کوئی آدمی ہدایت کے راستہ پر چلنا چاہے تو ناممکن ہے۔ پیغمبروں کی ہدایت کے بغیر یہ ہدایت کا راستہ اختیار نہیں کرسکتے۔

جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہماری ہدایت کے لیے تو قرآن کافی ہے، قرآن کے ترجمے ہو گئے ہیں، تفسیریں ہو گئی ہیں، ہم خود ہی ان تراجم وتفاسیر سے قرآن سمجھ کر اس کے مطابق عمل کر کے ہدایت کا راستہ پالیں گے، وہ نہیں پاسکتے۔ یہی طریقہ ہے کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے ان کی صحبت اختیار کرو۔ اسی لیے کہا گیا صراط الذین انعمت علیہم ۝ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا۔ اور وہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دوسری جگہ وہ چار جماعتیں بتلائی ہیں۔

مثبت ومنفی:

دیکھو! ہدایت کے راستے کو اللہ تعالیٰ نے دونوں حیثیتوں سے محدود کر دیا:

(۱) مثبت حیثیت سے: ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

(۲) منفی حیثیت سے: ولا الضالین نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا، اور نہ ان کا راستہ جو بھٹکے ہوئے ہیں۔

نیک صحبت اختیار کرو اور غلط صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھو، تب ہی ہدایت کا راستہ پا سکتے ہو۔ ورنہ تو ہدایت کا راستہ ملنے والا نہیں ہے۔

مغضوب علیھم کون؟

اب مغضوب علیھم ولا الضالین کہا گیا ہے کہ جن پر غضب ہوا وہ کون ہیں؟ اُس زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی طرف اشارہ کر کے بالتعیین بتلایا۔ ترمذی شریف میں حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت میں وارد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتلایا تھا کہ جن پر غضب نازل ہوا وہ یہود ہیں۔ [1] علما فرماتے ہیں کہ ان کے سامنے حق آیا، لیکن انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا، سب یہودی جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اللہ کے واقعی آخری پیغمبر ہیں، جن کے متعلق اگلی کتابوں میں بشارت آئی ہے؛ لیکن انہوں نے اس کو مانا نہیں، کیوں؟ حسد کی وجہ سے۔

یہود بے بہبود:

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے دو بیٹے تھے: حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ۔ اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے۔ ان ہی کا دوسرا نام اسرائیل تھا، ان کے بارہ بیٹے تھے اور ان بارہ بیٹوں سے جو اولادیں چلیں وہ بنو اسرائیل کہلائیں، یہی لوگ یہود کہلاتے ہیں۔ پھر جتنے بھی انبیاء حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک آئے

(۱) أخرجه الترمذي برقم: ۲۹۵۴ (ط: مصطفیٰ البابي الحلبي، مصر)

وہ سب کے سب بنواسرائیل میں سے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اگلی ساری کتابوں (توریت، زبور، انجیل) میں نبی آخر الزمان کو بھیجنے کی بشارت دی اور نشانیاں بتائیں۔ ان میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ بنواسماعیل سے ہوں گے۔ ان کی دوسری ساری علامتیں بتلائیں تو اب تک سارے انبیاء یہود کے خاندان میں آئے، جس کی وجہ سے ان کو یہ گھمنڈ تھا اور ان کا یہ خیال تھا کہ آخری نبی بھی ہمارے اندر ہی آئیں گے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں پیدا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی آخر الزمان بنایا گیا تو جاننے کے باوجود کہ یہ نبی ہیں، نہیں مانا۔

بہت سی مرتبہ جاننے کے باجود عمل نہ کرنا، اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ اس معنیٰ کر کے ان کو **مغضوب علیھم** کہا گیا، کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اور عیسائی راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں، ان کو گمراہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا نہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا غضب نازل ہوا، اور نہ ان لوگوں کا جو صحیح راستہ سے بھٹک گئے۔ بلکہ ان لوگوں کا راستہ بتا جن پر اللہ کا انعام ہوا، اور وہ جماعتیں بھی اللہ نے متعین کر کے بتلا دی ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تعیین کر دی۔ اب بندے بآسانی اس پر چل سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے لیے صراط مستقیم پر چلنا آسان فرمائے۔

آمین؛ امت محمدیہ کی خصوصیت:

جب اس کو پڑھیں تو آمین کہیں، آمین کا معنیٰ ہے اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، استجب دعوتنا یہ آمین بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امت کی خصوصیت بتلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر جو چیزیں امت محمدیہ کو عطا فرمائیں ان میں سے ایک آمین بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہود اس پر بھی تم پر حسد کرتے ہیں کہ ان کو یہ چیز کیوں ملی؟

ادارے کی دیگر مطبوعات

نمبر شمار	اسماء کتب
۱	جدید معاملات کے شرعی احکام
۲	بہار نبوت (اول) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ نمبر (انٹرنیٹ پر دستیاب ہے)
۳	بہار نبوت (ثانی) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ نمبر
۴	برما اور عالمی حالات اپنا طرزِ زندگی درست کیجیے (اردو، گجراتی)
۵	آیئے! نماز صحیح کریں
۶	علمی وعرفانی شہ پارے
۷	چراغِ سہارنپور
۸	دعا ایسے مانگیں (گجراتی، اردو)
۹	آسان درس قرآن (جزء اول)
۱۰	آسان درس قرآن (جزء ثانی)
۱۱	بیعت ہونے والوں کو ہدایات

DARUL HAMD RESEARCH INSTITUTE

SODAGARWADA, SURAT, GUJARAT (INDIA)

MO: 91731 03824 darulhamd2017@gmail.com